# تصوف

## ہماری نظر میں

297.6
ص 7 ت
92132

محمد حسن صفدر

# تصوّف

# ہماری نظر میں

محمد حسن صفدر

Marfat.com

Marfat.com

# انتساب

والدین حاجی شمس الحسنؒ اور محترمہ اصغری بیگم کے نام جن کی زندگیاں زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنتِ نبویؐ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی تھیں اور اس کتاب کی تصنیف کا محرک ثابت ہوئیں۔ اس کے ساتھ نذرانہ عقیدت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کو جو بے مثال علمیت، زہد و تقویٰ اور بصیرت کے مالک تھے۔

Marfat.com

297.6
7
92132

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

سن طباعت ——— ۱۹۸۵ء

طابع ——— شیخ سلطان ٹرسٹ پریس کراچی

ناشر ——— النور پبلشرز کراچی

کتابت ——— رضا اللہ ملک

سول ایجنٹ

رائل بُک کمپنی

رحمان سینٹر زیب النساء اسٹریٹ پوسٹ بکس نمبر ۷۷۳۷، صدر کراچی

Marfat.com

| صفحہ نمبر | عنوان |
|---|---|
| ۱۱ | پیش لفظ |
| | **تصوف کیا ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں۔ کیا طریقت اور شریعت جُدا ہیں۔** |
| ۱۴ | تصوف کی نوعیت |
| ۲۹ | شریعت اور طریقت |
| ۳۰ | تصوف کی ابتدا |
| | **سلوک کسے کہتے ہیں۔** |
| ۳۲ | سلوک |
| ۳۲ | بیعت |
| ۳۴ | حضرت فرید الحق گنج شکرؒ کا طریقہ بیعت |
| ۳۴ | بعد بیعت خرقہ پہنانے کا دستور |
| ۳۵ | خرقوں کی قسمیں |
| ۳۵ | خرقے کے بارے میں دو طریقے |
| ۴۱ | اجازت نامہ |
| ۴۲ | مرید اور ان کی اقسام |
| ۴۲ | سالک کی تین قسمیں |
| ۴۳ | کیا ایک انسان جو کسی کا مرید نہ ہو وہ سالک نہیں ہو سکتا |
| ۴۳ | اطاعت مرشد |
| ۴۴ | مرشد سے محبت |
| ۴۴ | توبہ و استغفار کی اعانت |
| ۴۵ | ثابت قدمی |
| ۴۶ | خوارق مرشد کی عن |


Marfat.com

## ذکر و فکر کی کیا ضرورت ہے۔ قلب کے جاری ہونے سے ہماری کیا مراد ہے۔


عملی سلوک ۵۸
ابتدائی آداب ۵۹
ذکر و افکار ۵۹
پاس انفاس ۶۰
نفی اثبات ۶۱
جذب اور قلب کا جاری ہونا ۶۴
استغراق ۶۷
توجہ ۶۸


## عبادات سے ہماری کیا مراد ہے۔


عبادات ۷۴
نوافل ۷۵
تلاوت ۷۶
طاعت ۷۹
شرح صدر ۸۰
فکر یا تفکر ۸۱
تفکر کی اقسام ۸۴
تفکّر بالمراقبہ ۸۸
مبادیات مراقبہ ۸۹
لطائف ۹۱
تین قسم کے صوفی ۹۲
چار قسم کے انسان ۹۳
تصوف اور دوسرے علوم میں فرق ۹۴
تزکیہ نفس ۹۶
طہارت ۹۶
صبر و مصابرت ۹۹
فقر ۱۰۲
محبت ۱۰۳


## عشق و تفویض میں کیا فرق ہے۔


عشق و تفویض ۱۰۶
ایثار ۱۱۰
صداقت ۱۱۰
تزکیۂ نفس اور ناپسند ۱۱۰
غصہ ۱۱۱


Marfat.com

نفرت ۱۱۱
ایفائے عہد ۱۱۲
تجسّسِ اعمال ۱۱۲
غیبت ۱۱۳
بدگمانی ۱۱۳
مجاہدہ ۱۱۴


## کیا قطع ماسویٰ اللہ زندگی سے فرار کا مترادف ہے۔


قطع ماسویٰ اللہ ۱۱۸
تسلیم و رضا ۱۲۰
فکر آخرت ۱۲۲
دیدارِ الٰہی ۱۲۳
فیض پہنچنا ۱۲۵


## سالک کو کن کن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔


راہِ سلوک کی رکاوٹیں ۱۳۰
عقیدت کی ناپختگی ۱۳۰
ماحول کی ناسازگاری ۱۳۱
عسرت، غربت اور بیماری ۱۳۱
دولت و ثروت کا مزاج پر غلبہ ۱۳۴
قبیح جذبات کا دباؤ ۱۳۷


## شیخ کامل کی کیا پہچان ہے۔


شیخ کامل کی پہچان ۱۴۶
خلافت اور خلافت کے طریقے ۱۴۸
کیفیاتِ مخصوصہ ۱۴۹
جذب کے اعتبار سے سالک کی اقسام ۱۵۰


## سالک کن کن منزلوں سے گزرتا ہے۔ اس کے سفر کی ابتدا اور انتہا کیا ہے۔


سلوک اور اس کی منزلیں ۱۵۴
عوالم کا نقشہ ۱۵۸
کرہ زمیں سے ذات بحت تک
نظریہ وحدت الوجود ۱۶۰
وحدت الشہود ۱۶۹
تصوف کی چند وضاحت طلب باتیں ۱۷۰
صحو و سکر ۱۷۰

۱۷۰ الہام
۱۷۲ فنا
۱۷۲ فنا کے درجے
۱۷۴ خواب
۱۷۷ ولی، ولایت اور کرامات
۱۷۸ ولایت کی تین اقسام
۱۸۱ خرقِ عادات کی چار قسمیں
۱۸۱ شفاعت کون اور کس کی کر سکتا ہے۔
۱۸۴ سماع
۱۸۶ وجد
۱۸۸ نفس

**قبض سے ہماری کیا مراد ہے۔**

۱۹۰ قبض و بسط
۱۹۲ حرفِ آخر
۱۹۴ فہرست کتب اردو
۱۹۶ فہرست کتب انگریزی

Marfat.com

# پیش لفظ

دورِ حاضر میں تصوف کے نام پر یا تصوف کی آڑ لے کر جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہایت تشویش کا باعث ہے اور اس سے کسی حد تک اسلام کی بیخ کنی ہوتی نظر آتی ہے۔ "شریعت جُدا اور طریقت جُدا" کے نعرے دین صافی کو عملاً نقصان پہنچانے کی غرض سے بلند کئے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کوئی تضاد اُن کے درمیان نہیں۔

تصوف نہ گدڑی میں ملبوس ہے اور نہ درگاہوں کے مجاوروں کی ملکیت۔ نہ اس کا ٹھکانہ غاروں کے خوفناک اندھیرے اور نہ سربفلک پہاڑ اور چوٹیاں ہیں اور نہ ہی یہ چنیدہ لوگوں کے سینوں میں بند ہے جیسا کہ مستشرقین نے لفظ "سر" استعمال کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر اس کی کسی کو جستجو ہو تو اُسے قرآن پاک اور اسوۂ رسول صلعم کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ دراصل تصوف علم و عمل اور قلب سلیم کی ملکیت ہے یہ وہ درجۂ احسان ہے جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ اس کے لئے طہارتِ ظاہری کے ساتھ ساتھ طہارتِ باطن درکار ہوتی ہے۔ کلمہ لا الٰہ اس کا مظہر ہے اور طاعت اِس کی کلید۔

اِس کتاب میں حقائق کی نقاب کشائی کر کے عام فہم زبان میں تصوف کے ڈھانچے کو پیش کیا گیا ہے۔ اور اُن لوگوں کی رہنمائی کی گئی ہے جو راہ سلوک میں یا تو قدم رکھ چکے ہیں یا اس طرف مائل ہیں۔

یہ کتاب صرف اقوالِ زریں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کو بھی اس میں دخل ہے۔ جید صوفیائے کرام اور اُن کی سوانح حیات



Marfat.com

سے بھی استفادہ کیا گیا ہے بالخصوص جناب خواجہ عبدالحکیم انصاری ① کی تصانیف، ان کے خطوط اور ان کی صحبت سے جو کم و بیش ۳۵ سال تک مصنف کو نصیب رہی۔ یہ بزرگ نہ صرف ولیٔ کامل تھے بلکہ علمیت، تقویٰ روحانیت اور اخلاقِ حسنہ کی ایک ایسی مثال تھے جو اس دور میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ طالبانِ حق کے لئے سودمند ثابت ہوگا۔ آخر میں قارئین کو اس بات سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن عوالم، منازل اور کیفیات کا ذکر اس کتاب میں ہوا ہے۔ اس کا صحیح ادراک صرف اُس وقت ممکن کہ جب سالک اس سے دوچار ہو۔ اس سلسلے میں لاکھ وضاحتیں بھی حقیقت کی رونمائی نہیں کر سکتیں اور وہ اس لئے کہ روحانی کیفیات الفاظ کی گرفت سے بالاتر ہیں۔

---

① ۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری بمقام فریدہ آباد (دہلی) ۱۹ جولائی ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ عبدالرحیم اور والدہ ماجدہ کا نام اُمۃ العائشہ تھا۔ آپ نے دین و معرفت کی تعلیم اپنے دادا صاحب مولانا عبدالعزیز سے پائی اور اپنے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمد کے زیرِ کرم راہِ سلوک طے کی۔ ۱۹۷۷ء میں اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ آپ ۹۲۔جے ماڈل ٹاؤن لاہور میں مدفون ہیں۔ یہ عمارت آستانۂ توحیدیہ کہلاتی ہے جہاں آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات گزارے اور ہزاروں شمعِ محمدی کے پروانوں کی ہدایت فرمائی، قطبِ وقت تھے اور ایک جید عالم دین۔ کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔ جن میں تعمیرِ ملت سب سے زیادہ مشہور ہے۔



Marfat.com

# تصوّف کیا ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں؟

# کیا طریقت اور شریعت جدا ہیں؟

Marfat.com

# تصوّف کی نوعیت

تصوف دکھاوا ہے، شعبدہ بازی ہے، جادوگری ہے، خرقہ پوشی ہے، گداگری ہے "حق ہو" کے فلک شگاف نعرے ہیں، زلفِ دراز کی نمائش ہے۔ گنڈے، تسبیح، مالا اور کنگنوں کی آرائش ہے یا نفس کشی ہے، فاقہ کشی ہے، ترکِ دنیا سے وابستگی ہے اور خود میں گم ہو جانے کا نام۔ اس کا مرکز ظاہر ہے یا باطن، شریعت ہے یا طریقت۔ اسے جوگیوں یا سنیاسیوں کے پاس ڈھونڈنا چاہیئے یا اس کی جستجو میں مجذوبوں، معذوروں اور رسیوں کے چکر لگانے چاہئیں۔ کیا یہ دُرِّ نایاب بزرگوں کی درگاہوں یا خانقاہوں میں ملتا ہے۔ کیا اسے کسی پیرو مرشد کی صحبت میں تلاش کرنا چاہیئے۔ یا اسے پانے کے لئے محض چند وظیفے یا روحانی مشقیں کافی ہیں یا اس کے ساتھ کردار اور اعمال کا تزکیہ بھی۔ اتنے سوانگ اور اتنے مظاہر۔ اتنی الجھنیں اور اتنے سوالات۔ الامان! الحفیظ! بیچارہ سیدھا سادا انسان یہ سب کچھ سوچ کر گھبرا اُٹھتا ہے۔

تصوف دراصل دورِ حاضر میں ایک بڑا گورکھ دھندا نظر آنے لگا ہے اور ایک عام انسان کے لئے چوں چوں کا مربا بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں اسے یونانی فلسفے نے مسخ کیا ہے وہاں اہلِ ہنود کی تہذیب و تمدن نے بھی اس کے خدوخال کو بڑی حد تک بدل ڈالا ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ ہماری اپنی ضعیف الاعتقادی، کم علمی، پیر پرستی اور قبر پرستی کا قصور ہے۔ ہم نے ظاہر سے باطن کی جستجو کی اور اپنے دلوں میں طرح طرح کے بت سجا لئے۔ حالانکہ ہم نکلے تھے اس ارادے سے کہ اس صنم خانے میں کعبہ

تعمیر کریں گے جس میں صرف اللہ کی محبت جلوہ گر ہو گی اور بس وہی ہماری ذات کا محور ہو گا اس انداز سے کہ ہم نرے اللہ کے ہوں گے (یعنی بزبانِ قرآن پاک حزب اللہ میں شامل) اور اس کے رسول ؐ کی شریعت کے پیرو۔ ہماری فکر و عمل میں یگانگت ہو گی اور ہمارے ظاہر و باطن میں ہم آہنگی۔ بدقسمتی سے ہماری بالکلیہ توجہ ظاہر پر مرکوز رہی۔ شاید آنکھوں نے دھوکا کھایا اور روح کو جسم کے توسل سے پہچاننے کی کوشش کی۔

عام خیال ہے کہ لفظ تصوف صوف سے نکلا ہے جس کے معنی اون کے ہیں یعنی صوفی وہ ہے جو کمبل پوش ہو، بظاہر زلفِ دراز رکھتا ہو، بڑی سی داڑھی ہو اور اپنی ہئیت سے اپنی دنیا علیحدہ بسائے رکھنے کا اظہار کرتا ہو۔ صوفی کا یہ حلیہ مشرقِ وسطیٰ سے چلتا ہوا یونان اور ایران سے گزر کر برصغیر پاک و ہند میں ہم تک پہنچا جہاں جوگیوں اور سنیاسیوں نے اپنی زعفرانی چادروں سے اُسے اپنے اندر اس طرح لپیٹ لیا کہ فرقِ حق و باطل جاتا رہا۔ پھر یہ علاقہ کی گھپاؤں اور غاروں میں جا گھسا اور عجیب و غریب قسم کی ریاضتوں اور جسمانی صعوبتوں سے منسوب ہو گیا۔ اب یہ ہئیتِ ظاہری تک محدود ہو کر رہ گیا۔ البتہ اس کے اعلیٰ پجاریوں میں محض قلب و باطن کی صفائی اور تزکیۂ نفس اس کا مقصد رہا۔ لہٰذا نا سمجھوں نے ایک نہایت خطرناک نعرہ لگایا "الصوفی لا مذہب" صوفی کا کوئی مذہب نہیں۔ بالفاظ دیگر صوفی کفر و اسلام کی قیود سے آزاد ہے۔ اس طرح تصوف جس کی اساس عین اسلامی تھی۔ اس گمراہ کن نعرہ کی بدولت کھوکھلا ہو کر رہ گیا اور یہ چشمۂ صافی آلودگی اور کدورت کی زد میں آ گیا۔ اب ہر فرقہ پوش اس کا مظہر قرار دیا گیا۔ اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا عبادت کی اہمیت ختم ہو گئی۔ شریعت کی اتباع کی شرط باقی نہ رہی اور اوامر اور نواہی کی ساری پابندیاں ایک سرے سے اٹھ گئیں اور بے دینی کا اظہار اس انداز سے ہوا کہ بے چارہ مسلمان یہ سمجھنے سے معذور ہو گیا کہ اصل بات کیا ہے۔ بقول اقبال "حقیقت



Marfat.com

خرافات میں کھو گئی،،۔ اب تو نوبت تنزل کی اس حد تک آگئی ہے کہ جس کسی نے بھی پٹے رکھے ہوں اور اس کی داڑھی بے تکی بڑھی ہوئی ہو اسے ہم صوفی کہہ کر پکارتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کا صحیح ادراک پیدا کیا جائے۔

یہ سچ ہے کہ تزکیۂ نفس میں محبت کو دخل ہے اور جب محبت دل میں رچ بس جائے تو اس کا اظہار بھی لازمی ہے۔

ع کیسے خبر ہو مہندی رچی ہے
جب ہو دست حنائی بند (صفدر)

لیکن اس قسم کے اظہار میں شرط اس بات کی ہے کہ جس سے محبت ہو اس کی تقلید کی جائے۔ مسلمان کے لئے باعث تقلید صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اُن کی محبت میں حضرت اویس قرنیؓ نے اپنی ساری بتیسی نکال کر رکھ دی محض اس بات پر کہ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون سے دندانِ مبارک شہید ہوئے لیکن اس محبت کا یہ ردِّ عمل غیر متوقع اور نازیبا ہے۔

میرؔ کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو جی اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

صوفی نعوذ باللہ کوئی جن کیا ہوا بجار نہیں اس پر بہت سی پابندیاں عاید ہوتی ہیں، تسلیم و رضا اس کا شیوہ ہوتا ہے اور اس کے قلب و نظر پر قدغن۔

اس باطن سے ظاہر کی طرف متوجہ ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ بزرگوں کی صحبتیں گدی نشینوں کی ہرزہ گوئی، کم علمی اور عدم تزکیۂ نفس اور اخلاق کی بدولت قصۂ پارینہ بن کر رہ گئیں ہیں۔ صوفیا کے خانوادوں کی جہالت اور وراثت کے طفیل خانقاہوں میں صرف عرس و فاتحہ کا اہتمام اور سماع، رقص و قوالی کا بندوبست ہوتا ہے مصنوعی حال آتا ہے۔ اور بناوٹی وجد کی کیفیت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کچھ سجائے چہرے، کھوکھلے نعرے اور رنگ برنگ کے لبادوں میں ملبوس



Marfat.com

انسان بطور نمائش محفل کی رونق بنے رہتے ہیں۔
اس ضمن میں طالب علمی کا ایک لطیفہ یاد آگیا۔ یہ بات ۱۹۲۹ء کی ہے جب ہم یو۔ پی (بھارت) کے شہر پیلی بھیت میں قیام پذیر تھے۔ اس علاقہ میں ایک بہت بڑے بزرگ شاہ جی محمد شیر میاںؒ کا مزار تھا۔ وہاں اُن کی برسی کے موقع پہ ہر سال بہت زور کا عرس ہوتا۔ ملک کے کونے کونے سے مشہور قوال آتے اور قسم قسم کے خرقہ پوش فقیر دکھائی دیتے۔ ایک بار ہم لوگوں کا بھی وہاں جانا ہوا۔ اس شب جس کا میں اس وقت ذکر رہا ہوں۔ اُن ہی خرقہ پوشوں میں سے ایک صاحب کو بار بار حال آنا شروع ہو گیا۔ وہ ہر دفعہ رقص کرتے ہوئے میرے چھوٹے بھائی کی طرف آتے اور اس پر گر جاتے، مجھے یہ بہت بُرا لگتا۔ اتفاق سے میرے ایک جہاں دیدہ جواں عمر دوست میرے قریب بیٹھے تھے۔ وہ چشم زدن میں ان کا رنگ بھانپ گئے۔ پہلے تو انہوں نے آہستہ سے انہیں وارننگ دی کہ صوفی صاحب یہ بات ٹھیک نہیں ہے پھر کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ مگر وہ ڈھیٹ قسم کے انسان تھے، اور اپنی عادت سے مجبور لہٰذا دوسری بار جب انہوں نے اپنے اس فن کا مظاہرہ اسی انداز سے کرنا چاہا تو ہمارے عزیز نے ایک پورے کا پورا آلپین (PIN) ان کے جسم میں پیوست کر دیا بلبلا ہی تو اُٹھے۔ بولے یہ کیا بدتمیزی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلا، پھر جو گئے تو لوٹ کر اُدھر کا رخ نہیں کیا۔
ایسا ہی ایک اور بزرگ کا ذکر ہے جو ایّام طفلی میں والد بزرگوار کے پاس اپنی چوتھ وصول کرنے سال میں ایک بار ضرور آتے تھے۔ بھاری بھر کم، گیروا لباس زیب تن کئے۔ زلف دراز، بڑی سی داڑھی، موٹے موٹے کڑے ہاتھ میں اور بے حد نمایاں دانوں کی تسبیح گلے میں۔ بعد عشاء صحن میں رونق افروز ہوتے اور بلند آواز سے لہک لہک کر گاتے "میں پاپن ایسی جلی کوئلہ بھئی نہ راکھ"۔ یہ وقت اتفاق سے میرے والد کے سونے کا ہوتا جو تہجد گزار تھے اور ابتدائی شب میں آرام کرنے کے

عادی ۔ لہٰذا نغمہ سرائی کی بدولت غریب نیند سے محروم رہتے ۔ ظاہر ہے ان کی جلد مراد بر آنے میں پھر تاخیر کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر خرقہ پوش ایسا ہی ہوتا ہے ۔ ان میں بڑے بڑے ولی اللہ بھی چھپے ہوتے ہیں فرق ہوتا ہے تو اتنا کہ شعبدہ بازی ان کا شعار نہیں ہوتا ۔ اللہ جنت نصیب کرے میرے کرم فرما جناب مجیب الحق رح* کا ۔ بڑے پایہ کے بزرگ تھے آخری عمر میں درگاہ پھلواری شریف میں معتکف ہو گئے تھے ۔ وہیں ایک شب قوالی کی محفل میں حال آیا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۔ یہ وہ شخص تھے کہ جب آخری وقت قریب آیا تو اپنے دوست احباب اور عزیزوں سے ملنے نکلے ۔ میرے والد ماجد کے گھر بھی تشریف لائے ۔ اتفاق سے وہ اس وقت موجود نہ تھے ۔ بھائی نے اصرار کیا کہ رک جائیں ۔ فرمایا پھر کبھی آؤں گا ۔ دریافت کیا کب تو جواب دیا تمہیں معلوم ہو جائے گا ۔ بعد انتقال اُن کا خط موصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ فلاں فلاں شخص فلاں تاریخ کو اللہ کو پیارا ہو گیا ۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ تصوف کی وضاحت کر دی جائے تاکہ حقیقت آشکار ہو جائے ۔ اور کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے اس سلسلے میں پہلے لفظ تصوف پر غور کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی ابتدائی نوعیت کا پتہ لگایا جا سکے ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے زیادہ تر احتمال اس بات کا ہے کہ تصوف لفظ صوف سے ماخوذ ہو جس کے معنی ہیں اون ۔ حضرت ہجویری رح اس سے متفق ہیں ۔

---

* مولانا مجیب الحق رح پٹنہ کے رہنے والے تھے ۔ آر ۔ کے ۔ آر ۔ یو پی (بھارت) میں ریلوے انجنیئر تھے اور زہد و تقویٰ میں بے مثال ۔ شب بیداری کی وجہ سے ان کی آنکھیں ہر وقت دہکتی نظر آتیں ۔ وہ قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور درگاہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین سے بیعت کئے ہوئے تھے ۔



Marfat.com

ان کی رائے ہے کہ " لباس صوف اہل تصوف کا امتیازی نشان تھا۔ یہی نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی۔ اس لباس کو ہمیشہ سے صالحین، متقین نے پسند فرمایا ہے "۔ مستشرقین یورپ بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں

تصوف کا اصحاب صفہ سے بھی رشتہ نکلتا ہے۔ صفہ سائباں کو کہتے ہیں یہاں وہ سائباں مراد ہے جو مسجد نبوی کے ایک کنارے پر تھا اور جس کے نیچے اصحاب رسول میں سے وہ اصحاب بیٹھے تھے جنہوں نے خود کو حدیثیں سننے عبادتیں کرنے اور نبی اکرمؐ کی تربیت پذیری کے لیے وقف کر دیا تھا اور تجرّد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بعد کو جب مسلمانوں کی ہوس رانی بڑھی اور وہ دنیاوی جاہ و حشمت کے پیچھے دوڑے بالخصوص اموی، عباسی، سلجوقی اور فاطمی ادوار میں۔ تو اس نصب العین کو اس دور کے بزرگان دین نے اپنا لیا اور دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ بجائے شاہی درباروں کے ان کی خانقاہوں میں علم و آگہی کے چراغ روشن ہوئے اس گروہ کو صوفی اور ان کے مسلک کو تصوف کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ لمعات خواجہ میں جناب معین الدین احمد چشتیؒ نے فرمایا ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں یہی کچھ عہد جہانگیری میں دیکھنے میں آیا۔

لفظ تصوف کے اس تاریخی پس منظر کے بعد اس کے مسلک کی نوعیت و ہیئت کی وضاحت ناگزیر ہو جاتی ہے وہ اس لئے کہ غلط فہمیاں دور ہوں اور حقائق سامنے آئیں۔ اس دشوار گزار کام میں ہم نے چند جید صوفیائے کرام کی آرا سے استفادہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ حقائق کو گرفت میں لانا، حقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا تصوف ہے۔ (حضرت معروف کرخیؒ)

۲۔ وہ لوگ صوفی ہیں جنہوں نے تمام کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کو پسند کیا۔ (حضرت ذوالنون مصریؒ)



Marfat.com

۳۔ صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پُر ہو اور قرب خدائے عزوجل میں بشر سے منقطع ہو اور اس کی آنکھوں میں خاک اور سونا برابر ہو۔ (حضرت سہیل بن عبداللہ تستری)

۴۔ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہو اور آفتِ نفس سے صاف اور ہوا و ہوس سے خالی ہو گئی ہو۔ یہ لوگ صفِ اوّل کے درجہ اعلیٰ میں خداوند کریم سے قربت حاصل کئے ہوئے ہیں۔ غیر اللہ سے بھاگتے ہیں وہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ کسی کی مملوک "تصوف مولا کی دوستی اور دنیا کی دشمنی کا نام ہے" (حضرت ابوالحسن نوریؒ)

۵۔ عارف وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسرارِ پنہاں سے گفتگو کرتا ہے۔ تو خاموش رہتا ہے۔ "معرفت خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا نام ہے"۔ "صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمانِ الٰہی کو ماننے والا ہو۔ اُس میں حضرت اسماعیلؑ کی طرح تسلیم، حضرت داؤد علیہ السّلام کی طرح صبر، حضرت موسیٰؑ جیسا شوق اور جناب محمّد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اخلاق ہوں"۔ (حضرت جنید بغدادیؒ)

۶۔ صوفیہ اس لئے صوفی کہلائے کہ ان کا دل پاک تھا اور اُن کے اعمال منزہ اور وہ اللہ کے حضور صفِ اوّل میں تھے۔ (اے۔ جے آربری)

۷۔ صوفی وہ ہے جس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی حاصل کریں اور اس صوفی کو کوئی چیز تاریک نہ بنائے۔ (حضرت بابا فریدالحق گنج شکرؒ)

۸۔ ہر جماعت میں اللہ کے کچھ منتخب بندے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے پیغامبر ہوتے ہیں جو اس کی مخلوق سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ ہماری جماعت میں اس قسم کے بندے بجز صوفیوں کے اور کوئی نہیں۔ (حضرت یوسف ابن الحسینؒ)

۹۔ ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے اس کے لئے



Marfat.com

زمین و آسمان کی طنابیں کھچ جائیں لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر حضرت رسول اللہ ؐ کا پیرو نہ ہو۔ (حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح)

۱۰۔ اگلے پچھلے سب کہتے ہیں کہ حقیقت سرِّ الٰہی ہے اس لئے کہ حقیقت کی باتیں تو میں نے ملحدوں، قلندروں اور زندیقوں سے بھی سنی ہیں بلکہ جوگیوں سے برہمنوں اور گروؤں کی زبان سے بھی سنی ہیں لیکن شریعت کی باتیں اہلِ دین اور اہلِ یقین کے سوا کسی کی زبان سے نہیں سُنیں۔ (حضرت بندہ نواز گیسو دراز رح)

۱۱۔ دل کو تمام کدورتوں سے صاف کرنا، خدائے عزوجل کے ساتھ صدق اختیار کرنا اور خلق اللہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا تصوف ہے۔

(حضرت عبدالقادر جیلانی رح)

۱۲۔ تصوف، فقر اور زہد تین جداگانہ چیزیں ہیں۔ تصوف، فقر اور زہد کے تمام اجزاء پر حاوی ہے۔ اور اس میں ان دونوں کے تمام اجزاء موجود ہیں۔ تاہم ان میں ایسے اوصاف کا بھی اضافہ ہے جن کے بغیر کوئی صوفی نہیں بن سکتا۔ خواہ وہ فقیر اور زاہد ہی کیوں نہ ہو۔

(حضرت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی رح)

۱۳۔ تصوف ایسا علم ہے جس میں اُن غیبی طاقتوں اور چیزوں کی معرفت اور تمام آسمانی مذاہب کی اساس اور بنیادیں ہیں مثلاً اللہ، فرشتے، جنت، دوزخ الہامی کتابیں، قیامت اور حیات بعد الموت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ فرشتوں اور جنت و دوزخ وغیرہ کی ماہیت اور حقیقت نہ تو حواسِ ظاہر سے مستحقق معلوم ہو سکتی ہے، نہ عقل ہی سے اچھی طرح اور یقینی طور پر سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن باوجود از ایں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ کچھ ایسے طریقے بتائے ہیں جن پر عمل کرنے کرنے سے ان تمام قوتوں اور چیزوں کا علم و عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس تمام



Marfat.com

علم کو مجموعی طور پر تصوف کہتے ہیں اور ان طریقوں اور قاعدوں پر عمل کرنا سلوک کہلاتا ہے۔ (حضرت خواجہ عبد الحکیم انصاری رح)

۱۴۔ تصوف میں کوئی بات خلاف قرآن و حدیث نہیں ہے۔ یہ دوسرا نام ہے تصحیح خیالات کا۔ اس میں ایسے طریقے قرآن و حدیث سے استخراج کر کے مدون کئے گئے ہیں۔ جن سے تزکیہ باطن ہو، استحضار حق ہو اور حب الٰہی پیدا ہو۔ تسلیم و رضا کا انسان عادی ہو کہ یہی مومن کی شان ہے۔ حب کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہی نہ ہونے پائے۔ لہٰذا صدور افعال خلاف ورزی۔ احکام شرعیہ کا اندیشہ ہی بے جا ہے۔ اکابر صوفیہ حالت سکر میں بھی محویت پر عامل رہے ہیں ...... البتہ تیسری صدی ہجری میں ایک گروہ نے جس کو غلو مابعد الطبیعاتی اور الٰہیات غیر اسلامی میں تھا اور بصرہ اور اہل عراق کے مخلوط النسل تجار اور ضاع پر مشتمل تھا اس میں بعض غیر اسلامی عناصر داخل کر دیئے۔ (۱)

ان مختلف ادوار کے بزرگوں کے بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جس اسلامی تصوف کی بات ہمارے اہل اللہ کرتے ہیں وہ نہ تو عیسائیت کا مرہون منت ہے اور نہ اس کا ماخذ، ویدانت، اپنشد، ایرانی فلسفہ یا افلاطونیت ہے اس کا ماخذ صرف شریعت ہے اور اس کی روح اور تعلیمات بھی قطعاً اسلامی ہیں۔ مندرجہ بالا تعریفوں میں جو باتیں مشترک ہیں۔ وہ یہ ہیں ترک دنیا، عقیدۂ فنا، زہد، ایثار، فقر، توکل، خشیت الٰہی، ذکر الٰہی محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ، ورع، حزن و الم، خشوع و خضوع، معرفت اور عرفان۔

---

(۱) پیغام نشاط مؤلف غازی الدین احمد رح

Marfat.com

خواجہ عبدالحکیم انصاری نے جس انداز سے تصوف کی تعریف اور وضاحت کی ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی ہے کہ تصوف کا مقصد کیا ہے۔ ان کی تعریف سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تصوف علم ہے ان غیبی طاقتوں اور چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کے طریقوں کا جن پر ایمان اور یقین رکھنا تمام آسمانی مذاہب کا اساس ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے سارے عقائد اور ایمانیات کی جڑ لاالٰہ الاّ اللہ ہے۔ یعنی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات یہی وہ مقام ہے جہاں سے تصوف کی ابتداء ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے بھی۔ اس انداز فکر کا یہ تقاضا ہے کہ ہم زبان و دل سے اس بات کو تسلیم کریں کہ فاعل حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور یہ فعل قلب و باطن کا فعل ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ "جس نے لاالٰہ الا اللہ کہا اس کے دل میں ایک جو کے برابر یا گیہوں کے برابر یا ذرّہ برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ سے آخر کو نجات پائے گا۔ (حضرت انسؓ)

جس طرح انسان کامل کے دو رُخ ہیں۔ ظاہر و باطن یا قلب و قالب۔ اسی طرح دین کامل کے بھی دو رُخ ہیں۔ شریعت و طریقت اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہر و قالب کے اعمال و احکام کا اسی طرح تصوف نام ہے باطن کے فقہ کا۔ جس طرح نماز و روزہ وغیرہ وغیرہ کے اعمال و احکام کی ایک ظاہری صورت ہے۔ جس کے احکام فقہ میں بیان ہوئے ہیں اسی طرح خشوع و خضوع حضور و قلب یا دل سے حق تعالیٰ کی یاد و ذکر ( اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ) قلب و باطن کے اعمال ہیں۔ جس طرح ترک اکل و شرب روزہ کا ظاہر ہے۔ اسی طرح اس کا باطن تقویٰ ( لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ) ہے پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں اسی طرح ان سب کی صحت و سقم قبول اور عدم قبول کا مدار قلبی نیتوں ( اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ) اور درجات اخلاص پر ہے۔ سب سے بڑھ کر ایمان اور عقائد جن پر نجات اور ظاہر و جوارح

Marfat.com

کے سارے اعمال کی صحت و قبولیت کا مدار ہے۔ ان عقائد کی جڑ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے توحید اللہ ہے۔ (۱)

لہٰذا ہمارا تصوف قلب یا باطن کی حقیقت کا ادراک ٹھہرا۔ قرآن و حدیث میں اس طرف اشارے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سنور رہا اور بنا تو سارا بدن بن سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑا تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب ہے (۲) اس سے پتہ چلا کہ ظاہری جسم کے اعمال و افعال کی نوعیت اسی باطن یا قلب کے عزم پر موقوف ہے وہی ہمارے ہر عمل کا محرک ہے۔ اور اسی پر ہمارے عمل کی صحت کا دار و مدار ہے تصوف بالفاظ دیگر فقہ باطن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کس طرح اس کو سنواریں اور نکھاریں یا اس کی حفاظت کریں وہی راہِ نجات بھی دکھاتا ہے۔

تصوف و طریقت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تصوف وہ چیز نہیں جسے عام لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ تو عین اسلامی ہے اور تصوف و طریقت میں نہ تضاد ہے اور نہ اس کی راہیں مختلف۔ سچ تو یہ ہے کہ جو صوفی نہیں وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان نہیں وہ صوفی نہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اسے علم احسان کے نام سے پکاریں اور یا علم قرب قرار دیں۔ جیسا کہ بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے۔ تصوف کے سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے رسالہ حقیقتِ تصوف میں اس بات کی وضاحت بڑی خوبی کے ساتھ یوں کی ہے۔

"شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا ذکر ہے وہ

---

(۱) تجدید تصوف و سلوک۔ مصنفہ مولانا عبدالباری ندوی۔

(۲) اَلَا وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ

Marfat.com

دو قسم کے ہیں ، بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے جیسے کلمہ پڑھنا نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، ماں باپ کی خدمت ان کو مامورات کہتے ہیں ۔ اور کلماتِ کفر کہنا ، شرک کے افعال کرنا ، زنا ، چوری ، سود خوری ، رشوت وغیرہ ان کو مناہی کہتے ہیں ۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے ۔ جیسے ایمان و تصدیق وعقائدِ حقہ ، صبر و شکر ، توکل ، رضا ، تفویض و اخلاص ، محبت ، خدا اور رسول وغیرہ ان کو مامورات فضائل کہتے ہیں اور عقائدِ باطلہ ، بے صبری ، ناشکری ، ریا و تکبر ، عُجب وغیرہ یہ مناہی ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے ۔

جس طرح قرآن شریعت میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ موجود ہے اُسی طرح یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا ( ایمان والو صبر کرو ) اور وَاشْکُرُوا للہ ( اللہ کا شکر بجالاؤ ) بھی موجود ہے اگر ایک مقام پر کُتِبَ علیکم الصیام اور لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ پاؤ گے تو دوسرے مقام پر اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اشدحباً لِلّٰہِ بھی دیکھو گے ۔ جہاں اِذَا قَامُوا اِلَی الصَّلٰوۃِ قاموا کسالی اس کے ساتھ ہی یُرَاؤُنَ النَّاسَ بھی موجود ہے ۔ اگر ایک مقام پر تارک نماز اور تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر تکبر اور عجب کی برائی بھی موجود ہے ۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ان میں ابوابِ نماز ، روزہ ، نکاح و طلاق پاؤ گے ۔ ابواب ریا وسمعہ وکبر وغیرہ بھی دیکھو گے ۔

" اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الٰہی ہیں ۔ کیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ امر کا صیغہ ہے اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ سے محبت کا مامور ہونا ثابت نہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے



Marfat.com

لئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات ہے اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ( بے شک جس نے نفس کو صاف کیا، کامیاب رہا )

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ( اور جس نے اس کو میلا کیا، ناکام رہا )

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (جس دولت کام نہ آئیں گے۔ )

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ( مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔ )

اس سے پتہ چلا کہ تزکیۂ نفس و باطن یا قلب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دل کی کدورت دور ہو اور قلب سلامت رہے لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ قلب میں ایمان و عقائد جاگزیں نہ ہو جائیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کیوں کر اعمال صالح وجود میں آئیں گے اور مومن کی متوازن شخصیت کیونکر ابھرے گی۔ اس نکتہ کو سمجھنے میں عام طور پر لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جو بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ تزکیۂ نفس سارا تصوف نہیں۔ تزکیۂ نفس تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ ہندوستان کے جوگی اس کے ذریعے اپنے اندر خاصی روحانی طاقت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یوں ان سے بہت سے خوارق سرزد ہوتے ہیں ان کے بارے میں ویسے تو میں نے بزرگوں سے سینکڑوں قصے سنے ہیں۔ کتابوں میں بھی ان جوگیوں کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب باتیں پڑھی ہیں، چاہوں تو ان کا اعادہ یہاں بھی کر سکتا ہوں لیکن بات حقائق کی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں آپ بیتی کو مقدم سمجھتا ہوں۔

یہ بات ۵۸ - ۱۹۵۷ء کی ہے۔ میں ان دنوں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش ) میں تعینات تھا۔ اتفاق سے جب مارشل لاء لگا تو ڈھاکہ کی سمری ملٹری کورٹ کا پریذیڈنٹ ہو گیا۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے کمرہ میں اجلاس کرتا



Marfat.com

اور صبح سے شام تک مقدموں کی سماعت کا سلسلہ چلتا ۔ صرف دوپہر کے کھانے اور نماز کے لئے عدالت کی کاروائی رکتی ۔ کوشش اس بات کی تھی کہ برسوں سے پڑے ہوئے مقدمات کو جلد سے جلد نمٹایا جائے ۔ میری اس فوجی عدالت میں ایک ہنومان نام کا چپڑاسی بھی تھا ۔ عمر رسیدہ ، کم گو اور عزلت پسند ۔ ایک روز جب اجلاس برخواست ہوا تو نجانے کیوں مجھ سے کہنے لگا " آپ سے میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں " میں نے جواب دیا ۔ " میں بخوشی حاضر ہوں " کہنے لگا " یہاں نہیں، گھر پر " میں نے کہا " آج شام کو آجاؤ میں تمہارا انتظار کروں گا " وہ کوئی پانچ بجے کے قریب آیا ۔ اس نے کہا " میرے آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں آپ کو کچھ دینا چاہتا ہوں آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے لگے سوچا کہ کچھ منتر بخش دوں ۔ ان سے آپ کو بہت کچھ حاصل ہو جائے گا " میں نے محسوس کیا کہ وہ خاصی بڑی روحانیت کا مالک ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس میں صداقت ہے ۔ اس نے مجھے اپنی اس پہلی اور آخری ملاقات میں بہت سے منتر بتائے ۔ میں خاموش اس کی باتیں سنتا رہا ۔ جب اس نے اپنی گفتگو ختم کی تو میں نے کہا ۔ بھائی تمہاری محبت اور خلوص کا شکریہ لیکن میرے پاس اللہ کی ایک ایسی کتاب ہے جس کے پالینے کے بعد کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہی ، بشرطیکہ بندہ کے اعتقادات اور ایمان ٹھیک ہو اور اس کے اعمال صالح ہوں ۔ اس کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا ۔ جواب بالکل غیر متوقع تھا ۔ وہ غالباً اس کے لئے تیار نہ تھا

وہ تو خیر چلا گیا لیکن میں اس ٹوہ میں لگا رہا کہ آخر یہ کس قسم کا شخص ہے جب دفتر پہنچا اور اہل کاروں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ بڑی شے ہے ۔ نہایت برگزیدہ انسان سمجھا جاتا ہے ۔ مقدمات میں ملوث لوگ اس کے آگے پیچھے بھاگتے ہیں ۔ جس کی بھی وہ مٹھائی قبول کر لیتا ہے اس کی قسمت جاگ جاتی ہے اور بقول ان کے وہ مقدمہ جیت جاتا ہے ۔



Marfat.com

آپ نے دیکھا یہ تھا ایک غیر مسلم کی روحانیت کا رنگ با ایں ہمہ یہ ٹھیک نہیں کہ ہم اُسے صوفی کہیں یا تصوف کا شناور۔ تصوف کشف وکرامات اور تصرف کا نام نہیں۔ جیسا کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ نہ یہ اشتغال ومراقبات اور احوال وکیفیات کا مترادف ہے۔ نہ اس سے مخصوص رسوم وعادات مطلوب ہیں۔ نہ ہی اس سے مراد ہے ریاضیات، مجاہدات اور ترک تعلقات کی نہ ہم اسے اسرار میں سے مغیبات کا مجموعہ قرار دے سکتے ہیں۔ اہل مغرب کی طرح اسے سریت (مسٹزم) کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے نہ اسے وہ رازِ سربستہ سمجھنا چاہیئے جو سینہ بہ سینہ پیر ومرشد کے درمیان چلتا ہے جیسا کہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے۔ یہ تو ایک معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے جو تزکیۂ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔

جس تزکیۂ نفس کی بات ہم اس وقت کر رہے ہیں اور جس پر ہمارے دین میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ تزکیۂ نفس یا قلب کی صفائی ہے جو شریعت کے اتباع سے ہوتی ہے۔ اگر حقیقت نظر میں رکھی جائے تو پھر یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جو روحانی طاقت جوگی یا سنیاسی ریاضت اور مشقت کے ذریعے حاصل کرتے ہیں وہ مطلوبہ تزکیۂ نفس کے دائرہ میں نہیں آتی۔ اللہ کے یہاں صرف وہ صفائی مقبول ہے جس پر اُس کی محبت کی مہر لگی ہوئی ہو۔

" محبت خدا اور رسول جو منجملہ صفات حمیدیہ، طیبہ اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اُس کا تعلق بھی اتباع شریعت ہی سے ہے بدون اتباع شریعت محبت کہاں قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے) اس آیت میں اتباعِ رسول ہی کو محبت بتایا گیا ہے۔ اللہ کی اس حقیقی یاد یا ذکر کا نام احسان ہے۔ احسان اُس کیفیت کا نام ہے جس میں اللہ کی بندگی اس انداز سے ہو گویا سالک (عبادت گزار) اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ



Marfat.com

نہیں دیکھ رہا تو اللہ ضرور اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی یاد ہمارے تصوف کی روح ہے۔ اسی کی بدولت حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اور جب یہ معراج حاصل ہو جائے تو پھر بجز بھول چوک کے بندہ سے ناپسندیدہ اعمال سرزد نہیں ہوتے۔

## شریعت اور طریقت

دراصل "تصوف اس علم کا نام ہے جس پر عمل کرنے سے باطن کی وہ صفائی نصیب ہوتی ہے جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب مدارج و مقام ہوتا ہے۔" اس کی دنیا سنور جاتی ہے اور عقبیٰ بھی۔ تصوف جاہ و حشمت کا ذریعہ نہیں بنتا اس کا مقصد بجز رضائے الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس کی منتہا محویت اور استغراق بھی نہیں۔" اللہ تعالیٰ کا نام (تو) ہوش بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ نہ کہ کھونے کے لئے ...... خواجہ عبیداللہ احرار فرماتے ہیں کہ استغراق میں قرب نہیں بڑھتا کیونکہ اس میں عمل نہیں ہوتا جو مدارِ قرب ہے۔ (۱)

تصوف شریعت اور طریقت کی پابندی سکھاتا ہے، ظاہر و باطن کو مربوط کرتا اور قلب و نظر کو منسلک رکھتا ہے۔ یہ روح اور جسم کو تابع احکام الٰہی بناتا ہے۔ اس سے قول و فعل کا تضاد مٹتا ہے۔ مختصر یہ کہ تصوف مسلمان کی تطہیر کا ذریعہ ہے اور اس کے توسل سے معراج انسانیت نصیب ہوتی ہے یہ تصوف ہم تک اغیار نے نہیں پہنچایا۔ یہ خالص اسلامی ہے۔ اس میں صرف تزکیۂ نفس ہی نہیں بلکہ تزکیۂ اعمال بھی شامل ہے۔ چونکہ بزرگوں نے باطن کی صفائی کو نہایت اہم قرار دیا اور وہ اس لئے کہ قلب ہمارے سارے افعال کا سرچشمہ ہے۔ لہٰذا لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ بس یہی اس کی ابتداء

---

(۱) مولانا اشرف علی تھانوی ؒ



Marfat.com

اور انتہا ہے۔ اس فکر کے فروغ پانے میں غیر اسلامی تحریکوں اور جوگیوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

## تصوف کی ابتدا:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تصوف کی ابتداء کیونکر ہوئی ظاہر ہے حضور پاک ؐ کے زمانہ میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ و اصول فقہ وغیرہ وغیرہ متمیز نہ تھے۔ پچھلے علمائے دین نے دین کی تائید و تبلیغ کے لئے ایک ایک علم الگ کر کے اس کے قواعد مقرر کئے۔ اسی طرح علم تصوف کو بھی مشائخ کرام نے قرآن اور حدیث سے نکال کر باطن کی صفائی کے بعض اذکار و اشغال و مراقبات خاص طریقہ سے بتلائے کہ ان پر عمل کر کے انسان کو تزکیہ باطن جلد نصیب ہو جاتا ہے۔ ان طریقوں اور قاعدوں پر عمل کرنا سلوک کہلاتا ہے۔ ہر سلسلہ جو کبھی جاری ہوا یا اب موجود ہے اپنے مریدوں کو یہی طریقے سکھاتا ہے اور بتاتا ہے یہی پیری مریدی ہے۔(۱)

---

(۱) طریقتِ توحیدیہ مصنفہ خواجہ عبدالحکیم انصاری



Marfat.com

# سلوک کسے کہتے ہیں؟

Marfat.com

# سلوک

سلوک مشتمل ہے ان آداب طرق ، اذکار و افکار اور اعمال و اشغال پر جن کو دور کرنے سے ایک سالک کو اللہ کی محبت ، حضوری ، لقا اور معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کا قرب میسر آسکتا ہے اور دوسری غیبی چیزوں کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرشتے ، دوزخ ، جنت اور مبدار و معاد مگر اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے سالک میں طلب شرط ہے یعنی اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ طلب حق میں ، دل درست اور صحیح ہو (۱) حضرت نظام الدین اولیاء کے نزدیک ارادت توبہ کی مترادف ہے۔ اس سے اس کے ارادوں میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔ یہ خلوص اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کی صحبت اور ہدایت سے فائدہ اٹھائے جب اسے کوئی ایسا بزرگ مل جاتا ہے کہ جس سے اُسے عقیدت ہو تو اس سے بیعت کر لیتا ہے۔

تصوف کی زبان میں بیعت کے معنی پیروی کے ہیں۔

## بیعت

یعنی سالک جس بزرگ کو بھی اپنی ہدایت کے لئے مناسب سمجھتا ہے اس سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ بیعت کا سلسلہ قدیم ہے اور سرور کائنات کی ذات سے منسلک ، اسلامی تاریخ کی پہلی بیعت بیعت عقبہ کہلاتی ہے ۔ جب عقبہ کے متصل بارہ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے حضور پاکؐ کے دست مبارک پر بیعت کی ۔ عورتوں سے بیعت لینے کے متعلق تو خود قرآنِ پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یوں ہدایت ہے۔

---

(۱) سیر الاولیاء تصنیف امیر خورد



Marfat.com

اے نبیؐ جب تمہارے پاس عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہو کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہ کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لگائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موقع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے" پھر حضورؐ نے حدیبیہ کے مقام پر بھی مسلمانوں سے بیعت لی، جان کی بازی لگا دینے کی جو بیعت الشجر اور بیعت رضون کے ناموں سے موسوم ہے۔ صوفیائے کرام نے بھی راہِ سلوک میں اسی طریقہ کا اتباع کیا ہے۔ تاکہ پیروی کا عہد و پیمان بھی سنت رسول کے مطابق ہو اور اس طرز پر ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے پسند فرمایا۔

عموماً بیعت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مرشد یا پیر طالب سے دو رکعت نماز نوافل برائے توبہ کے پڑھنے کو کہتا ہے۔ یہ نفل پڑھ کر طالب سجدہ میں جاکر اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے توبہ مانگتا ہے اور یہ عہد کرتا ہے کہ وہ آئندہ گناہوں کے ارتکاب سے بچتا رہے گا۔ پھر وہ مرشد کے سامنے دوزانو بیٹھ کر صفت ایمان مجمل اور صفت ایمان مفصل عربی میں اور اس کا ترجمہ باآواز بلند پڑھتا ہے اور مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہتا ہے۔

" میں آپ کو گواہ بنا کر اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آئندہ تمام کبیرہ گناہوں سے بچوں گا اور صغیرہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ میں ہمیشہ پاک صاف رہوں گا۔ نماز باقاعدہ پڑھوں گا۔ روزے رکھوں گا۔ اگر روپیہ ہوا تو زکوٰۃ دوں گا اور حج کروں گا اور ضرورت پڑی تو جہاد بھی کروں گا۔ آپ کے سلسلہ کے تمام آداب و قواعد کی پابندی کروں گا۔ اور آپ کے ہر حکم کو بے چوں چراں مانوں گا۔ ان تمام باتوں کے لئے میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر آپ کی مدد کا

طالب ہوں اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

اس کے بعد مرشد کہتا ہے۔

میں اللہ کے واسطے تمہاری بیعت قبول کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو کامیاب فرمائے اور ثابت قدم رکھے۔ آمین"۔

پھر مرشد ایک گلاس پانی لے کر اس میں سے ایک دو گھونٹ پیتا ہے اور پھر توجہ کر کے باقی مرید کو پلا دیتا ہے۔ اگر شیرینی وغیرہ ہوئی تو اسے حاضرین میں تقسیم کروا دیتا ہے۔ اس طرح بیعت کی رسم مکمل ہو جاتی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ جب کسی کو بیعت کرتے تو فرماتے کہ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا اور اہل دنیا کو پیدا ہی نہیں کیا گیا ہے"۔

## حضرت فرید الحق گنج شکر کا طریقہ بیعت

جب کوئی طالب مرید ہونے کی غرض سے حضرت فرید الحق گنج شکرؒ کے پاس آتا تو آپ اس سے پہلے سورۃ فاتحہ پھر سورۃ اخلاص اور اس کے بعد آمَنَ الرَّسُوْلُ اور شَهِدَ اللّٰهُ سے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ تک پڑھواتے۔ پھر فرماتے " تم نے اس ضعیف اور ضعیف کے پیر اور ہمارے خواجگان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے حق تعالیٰ سے وعلیٰ سے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ تم نے اپنے ہاتھ، پاؤں اور آنکھ کو گناہوں سے محفوظ رکھو گے اور شریعت کے طریق پر کاربند رہو گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

## بعد بیعت خرقہ پہنانے کا دستور

بزرگان دین میں مرید کو خرقہ عنایت کرنے کا بھی دستور تھا۔ اس خرقہ کی اہمیت یہ تھی کہ وہ اُس کو یہ بات یاد دلائے کہ اب اس سے پرہیزگاری متوقع ہے۔ وہ اپنے ظاہر و باطن کی پاسبانی کرے گا دل کو نقش باطل سے بچائے گا۔ اس کی زبان، آنکھ، ہاتھ، پیر اور سوچ پر

پابندیاں ہوں گی ۔ ہر دم آزادی اور بے راہ روی سے وہ پرہیز کرے گا ۔ حضرت گنج شکرؒ جب کسی کو خرقہ پہناتے تو فرماتے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرُ الْعَاقِبَةِ لِلْمُتَّقِيْنَ ( یہ لباس پرہیزگاری کا ہے ۔ یہ بہتر ہے اور آخرت کی خوبیاں پرہیزگاروں ہی کے لئے ہیں ) ۔ نیز یہ بھی فرماتے کہ بطحائے کعبہ ارادت ہے ، حرم کعبہ ارادت ہے اور کعبہ ارادت ہے ۔ بطحائے کعبہ کی ارادت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہ ستائے ، نہ ہاتھ سے نہ زبان سے ۔ نہ کسی پر طعن و تشنیع کرے ، نہ کسی کو کچھ کہے اور نہ کسی کی سنے اور اپنے ظاہر کو محفوظ رکھے ۔ حرم کعبہ کی ارادت کا مطلب یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ سے لگائے اور ہمیشہ ذکر اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے اور شیطان کے وسوسوں کو دل میں نہ لائے ۔ (۱)

## خرقوں کی قسمیں

بزرگ جو خرقے مریدوں کو عطا کرتے ہیں اُن کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۔ ایک خرقۂ ارادت اور دوسرے خرقۂ تبرّک ۔ خرقۂ ارادت صرف اُن سالکوں کے نصیب ہوتا ہے ۔ جن کے اور پیر کے فکر و عمل میں اس قدر اتحاد ہو کہ دونوں ایک جان دکھائی دینے لگیں ۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے ۔ یوں تو اس فقیر نے کتنے ہی لوگوں کو خرقہ دیا ہے لیکن ان میں سے صرف چار کو خرقہ ارادت دیا ہے اس کے علاوہ باقی دوسرے تمام لوگوں کو خرقۂ تبرک دیا ہے

## خرقے کے بارے میں دو طریقے

بالعموم خرقے کے بارے میں دو طریقے ہیں ۔ ایک طریقہ حسن بصریہ ہے اور دوسرا طریقہ کمیلیہ حسن بصریہ طریقہ یہ

(۱) سیر الاولیاء تصنیف امیر خورد



Marfat.com

ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خرقہ پہنایا اور حضرت علیؓ نے حسن بصریؒ کو خرقہ پہنایا۔ طریقہ کمیلیہ کمیل بن زیاد سے منسوب ہے۔ کمیل سلسلہ کمیل بن زیاد سے چل کر حضرت شیخ بہاؤالدین سہروردیؒ تک پہنچتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا خرقہ زیادہ مشہور ہے۔

بعض سلسلوں میں بیعت نامہ پر دستخط کروانے کا بھی رواج ہے۔ (۱) سلسلہ توحیدیہ کا یہی طریقہ ہے تاکہ بیعت نامہ کو گاہے بگاہے دیکھ کر عہد کی تجدید اور اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ بیعت کا مقصد سالک کے ارادوں میں پختگی پیدا کرنا، اس کی ہمت کو بڑھانا اور راہ کی دشواریوں سے دوچار ہونے کے لئے ایک تجربہ کار رہبر کے سہارے اور رہنمائی کا یقین دلانا ہوتا ہے۔ بہر حال سالک کی راہ اتنی آسان نہیں۔ جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے۔ تزکیۂ نفس کے طریقوں پر عمل پیرا ہونے اور مختلف کیفیات سے گذرنے میں ہدایت، وضاحت رہنمائی، اعانت اور دستگیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں راہ کی دشواریاں دامن پکڑنے لگتی ہیں۔ شوق منزل تیز تر ہوتا ہے۔ مگر ترقی کی رفتار انسان کی اپنی افتاد طبیعت اور اللہ کے کرم کے مطابق ہوتی ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ "آگ لینے جائیں پیغمبری مل جائے"۔ لہٰذا دوران سلوک سالک کے ثابت قدم رکھنے میں مرشد کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

اس بیعت کو گروہ بندی کی خواہش کا نتیجہ کہنا مناسب نہ ہوگا۔ وہ اس لئے کہ سب لوگ حزب اللہ میں شامل ہیں پھر شیخ کیونکر انتشار کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ بیعت تو دراصل مرشد کی ذمہ داریوں میں اضافہ کی صورت بنتی ہے اسے اپنے مرید کی خبر گیری کرنی ہوتی ہے اور ایک ماہر ڈاکٹر کی طرح اس کے لئے

---

(۱) سلسلہ توحیدیہ اُس سلسلہ کا نام ہے جسے خواجہ عبدالکریمؒ نے قائم کیا۔



Marfat.com

صرف اتنی روحانی خوراک تجویز کرنا ہوتی ہے جسے اس کا قلب قبول اور برداشت کر سکے۔ وظائف، اذکار اور ریاضتوں کے تجویز کرنے میں بھی اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ رہا اس کا سوال یہ کہ اُسے کیسے پتہ چلتا ہے کہ اُس کے مرید پر کیا گذر رہی ہے۔ اب وہ کس منزل پر ہے۔ اُسے کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کے سدھار کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہیں اس کے لئے اس کے پاس تین ذریعے ہوتے ہیں ایک مرید کا حال اس کی زبانی سن کر دوسرے اُس کے چہرہ بشرہ کو دیکھ کر، اس سے بغل گیر ہو کر یا مراقبہ کر کے اور تیسرے توجہ دے کر۔ یہ اللہ کی دین ہے۔ مرشد غور کرتا ہے اور اس نیّت سے کہ اسے اللہ جس کی رہبری کی ذمّہ داری مجھے سونپی ہے میں اُس کی اعانت کرتا ہوں اور پھر اللہ اپنا کرم فرماتا ہے۔ نتیجتاً مرشد پر مرید کا حال منکشف ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی ذاتی منعفت درکار نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل کے طفیل ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ فاصلے درمیان میں حائل رہتے ہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ بیعت اس بات کا اجازت نامہ نہیں ہے کہ آپ جو چاہیں کر گذریں۔ آپ پر سات خون معاف ہیں کہ آپ کا تاوان بھرنے کے لئے آپ کا پیر موجود ہے۔ یہ اہل قلب کا طرز فکر ہے۔ بیعت دنیاوی منعفت کے لئے بھی نہیں۔ یہ ایک عام خیال ہے کہ اگر اپنے دنیاوی کام سیدھے کرانے ہوں تو کسی پیر کو پکڑ کر بیٹھ جاؤ۔ اسے نذرانے پیش کرو۔ اس کے آگے پیچھے دوڑو خود کوشش نہ کرو۔ بس ہر کام اس پر چھوڑ دو وہ تمہاری خواہش پوری کر دے گا۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ نعوذ باللہ اس کا اللہ سے تار برقی سلسلہ ہے۔ یہ مشرکانہ طرز فکر ہے۔ اگر کسی مرید کو بیعت سے کوئی ذاتی منعفت نہ ہو تو اس سے اجتناب بہتر ہے۔ کوئی پیر کتنا ہی کیوں نہ بڑا ہو اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا وہ مریدوں کی بہتری کے لئے بھی اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اسی کی طرف



Marfat.com

رجوع ہوتا ہے ۔ اب یہ اور بات ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کا خیال رکھتا ہے ان پر اپنا کرم فرماتا ہے ۔ ان کی دل جوئی کی خاطر ان کی بات کا پاس بھی رکھتا ہے ۔ اللہ کے نیک بندے خود کو اللہ کی مرضی کے مطابق اتنا ڈھال لیتے ہیں کہ جو عمل ان سے سرزد ہوتا ہے ۔ اس میں عموماً مشیت ایزدی ہوتی ہے ۔ اس طرف علامہ اقبال نے بڑے لطیف پیرائے میں یوں اشارہ کیا ہے ۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا، کار ساز

لہٰذا جب مشیت ایزدی شامل حال نہیں ہوتی تو کچھ بھی نہیں ہوتا ۔ سینکڑوں واقعات اس قسم کے دیکھنے میں آئے ہیں ۔ زبان گنگ ہو گئی ہے ۔ دعا بے اثر رہی ہے ۔ تدبیر سے کام نہیں چلا ہے ۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ کسی پیر سے صرف یہ دیکھ کر بیعت کرتے ہیں کہ کون کون سے حکامِ بالا اور با اثر لوگ اس کے پاس آتے ہیں یا اس کے مرید ہیں ۔ اس طرح بیعت کو وہ اپنے کاروبار کے بڑھانے کا ذریعہ بناتے ہیں اور پیر بھائی سے جائز اور ناجائز کاموں کی توقع رکھتے ہیں ۔ یہی وہ چیز ہے جس نے پیروں کو بدنام کیا ہے ۔

بیعت تو ایک قسم کا معاہدہ ہے ۔ پیر اور مرید کے درمیان اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اس معاہدہ میں کوشش کی ذمہ داری مرید کی ہوتی ہے ، توفیق منجانب اللہ اور اعانت و رہبری پیر کی ۔ یہ معاہدہ محض معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے ۔ کوئی سچا پیر اپنا جھنڈا بلند کرنے یا اپنا ڈنکا بجوانے کے لئے ایسا نہیں کرتا وہ دنیا کا طالب نہیں ہوتا البتہ دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے ۔ بھلا سوچنے کی بات ہے . . . . . . . ایک مرشد اللہ کو چھوڑ کر کیونکر ان جھمیلوں میں پڑنا گوارا کر سکتا ہے ۔ پیر کے بارے میں ایسا سوچنا بھی معیوب ہے ۔



Marfat.com

دعائیں ہم نے بھی بزرگوں کی قبول ہوتے دیکھی ہیں۔ بڑی عجیب وغریب لیکن اسے اللہ کا کرم سمجھنا چاہیئے۔ ہمارے کرم فرما خواجہ عبدالحکیم انصاری کی بات ہے۔ ۱۹۵۶ء میں وہ جن صاحب کے پاس کراچی میں مقیم تھے۔ اُن کے ایک بیٹی تھی۔ شکل وصورت کی اچھی، تمیز دار، ہنر والی لیکن لکنت اُس کی زبان میں تھی۔ دوسری بہنیں طعنے دیتیں کہ تیری شادی کیسے ہوگی تُو تو ہکلاتی ہے۔ ایک روز جب وہ بہت تنگ آئی تو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بہت روئی انہوں نے دلاسا دیا کہ کوئی بات نہیں اللہ انشاءاللہ اپنا کرم کرے گا۔ یہ لکنت جاتی رہے گی اور تمہیں بہنوں میں انشاءاللہ سب سے اچھا شوہر ملے گا۔ پھر کچھ پڑھ کر پانی عطا فرمایا۔ اور کہا کہ اس کو پابندی سے پینا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد اُس کی ہکلاہٹ جاتی رہی اور شادی بھی ہوئی تو ایسے سے جو بڑا چاہنے والا، قدردان اور آسودہ حال نکلا۔ اسی قسم کے بہت سے واقعات بزرگوں سے منسوب ہیں لیکن ان سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ کہ پیر نعوذ باللہ کوئی دیوتا ہے۔ یہ مشرکانہ طرزِ فکر ہے۔

پیر کی دعاؤں کی باریابی اپنی جگہ پر ہے۔ اور بیعت کا معاملہ اپنی جگہ پر بیعت کرنے کی نیت خالصتاً اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہونی چاہیئے۔ بیعت کا مکمل طریقہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اس میں تخفیف وترمیم بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آئے گی مگر ہر جگہ بیعت کا ڈھانچہ معاہدہ کی شکل میں ہوگا۔ بیعت ارادتاً بھی ممکن ہے بشرطیکہ مرید کو اس کی خواہش ہو اور مرشد کی رضامندی شامل نظر آئے۔ بیعت میں نیت اور اعتقاد بنیادی عنصر ہیں۔

یاد رہے نیت کو دین کے ہر معاملہ میں بڑا دخل ہے۔ یہ بیعت بھی اس میں سے ایک ہے۔ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردیؒ فرماتے ہیں۔

" مرید کے لئے مناسب ہے کہ وہ ہر کام میں اللہ کی نیت کرے یہاں



Marfat.com

تک کہ کھانے پینے اور پہننے میں بھی "

نیت سے عمل کا آغاز ہوتا ہے اور اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی مرید صوفیہ کرام کی جماعت میں داخل ہو تو اس کا اہم کام یہ ہے کہ وہ اُن کا لباس اختیار کرے اور خدا کی خوشنودی کیلئے اُن کے پاس بیٹھا کرے جب وہ ان کے طریقہ میں داخل ہو گا تو یہ اس کے وقت اور حال کی ہجرت ہے "

حدیث شریف میں ہے۔

"مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع ہوئی باتوں کو چھوڑ دے "

ہم نے اپنے شیخ محترم کے ایک ساتھی کو دیکھا وہ ہر لقمے پر نیت کیا کرتے تھے اور اپنی زبان سے فرماتے تھے "میں لقمہ اللہ کے لئے کھاتا ہوں" بہر حال اگر دل سے نیت نہ کی جائے تو زبانی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ سنت نیت کا عمل ہے۔ زبان صرف اس کی ترجمان ہے۔ اس لئے جب تک اللہ کے لئے قلبی عزمیت نہ ہو وہ نیت نہیں کہلا سکتی۔

نیت کے بارے میں حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے۔

" اکثر مواقع پر مشکلات ابتدار کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں" لہٰذا حضرت سہروردی کا مرید کو مشورہ ہے کہ " وہ روحانیت کے راستے پر چلنے کے آغاز میں نیت کو پختہ کرے کیونکہ نیت کے پختہ کرنے سے نہ صرف وہ نفسانی خواہشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ بلکہ نفس کی فوری لذتوں سے کنارہ کش ہو کر اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہو جاتا ہے "

صوفیائے کرام کی آرار آپ نے نیت کے بارے میں غور فرمائیں اب آپ اس سلسلہ میں حدیثِ نبویؐ ملاحظ فرمائیں تاکہ اس بات کا احساس ہو کہ تصوف کا پیکر ہر اعتبار سے اسلامی رنگ لئے ہوئے ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں۔



Marfat.com

"میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے" درحقیقت اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی جیسی نیت کرتا ہے ویسا ہی اسے پھل ملتا ہے۔ اگر اس کی ہجرت کی نیت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہے تو وہ ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے سمجھی جائے گی اور جس کی نیت دنیا حاصل کرنا یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی ہو تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لئے ہو گی جس کا اس نے ارادہ کیا۔"

## اجازت نامہ

جب مرشد یہ دیکھتا ہے کہ سالک اس قابل ہو گیا کہ دوسروں کو ہدایت کر سکے تو وہ اسے بیعت کی اجازت دے دیتا ہے اور یہ اجازت لکھ کر بھی ہوتی ہے اور زبانی بھی۔ انصاری صاحبؒ کو ان کے مُرشد نے تین سال بعد اس قسم کی اجازت لکھ کر دی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۳ برس کی تھی۔ اجازت نامہ میں یہ بھی لکھ دیا تھا "اگرچہ بیعت کرنے کی اجازت دے دی گئی لیکن چالیس سال کی عمر نہ ہو جائے کسی کو بیعت نہ کرنا" اس سے پتہ چلا کہ مرشد کے لئے بردباری، سنجیدگی، بالغ نظری، احساس ذمہ داری اور ایک محکم شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے زہد و تقویٰ کے علاوہ عمر اور تجربہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کوئی مداری کا کھیل نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک بزرگ کی آپ بیتی یاد آئی فرماتے تھے کہ کم عمری میں وظائف، ذکر، ارتکاز اور مرشد کی عنایت اور اللہ کے کرم کے طفیل خاصی روحانی طاقت حاصل ہو گئی۔ بچپنی حرکتیں کرنے لگا۔ لوگ چڑھا دیتے کہ رائے سینا کے داہنے ہاتھ کی بتیاں گل کر دو تو جانیں۔ میں ایک نظر اُدھر ڈالتا اور سب بتیاں گل ہو جاتیں۔ میرے مرشد کو اس کا پتہ چلا تو بہت ناراض ہوئے فرمایا تم ابھی اس کے قابل نہیں اور پھر کیا تھا سب کچھ مجھ سے



Marfat.com

چھن گیا۔ کئی سال بےچینی میں تڑپتے گذارے۔ توبہ استغفار کیا غرضیکہ مجھے میرے کیئے کی بڑی سخت سزا ملی۔

## مُرید اور اُنکی اقسام

حضرت نظام الدّین اولیاءؒ کے نزدیک مرید دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک رسمی اور دوسرے حقیقی۔

## مُرید رسمی

مرید رسمی وہ ہیں جنہیں پیر تلقین کرے کہ دیکھی ہوئی چیزوں کو ان دیکھی اور سُنی ہوئی باتوں کو ان سُنی کرو اور اہل سنّت والجماعت کے طریقے پر کاربند رہو۔

## مرید حقیقی

مرید حقیقی وہ ہیں کہ جنہیں پیر تلقین کرے اور کہے کہ تم ہماری صحبت میں رہو یا ہم تمہاری صحبت میں رہتے ہیں۔ صحیح مرید وہ شخص ہے جو اپنا اختیار چھوڑ کر رضائے حق کا طالب ہو۔

## سالک کی تین قسمیں

جس طرح مرید کی قسمیں ہیں اسی طرح حضرت نظام الدّین اولیاء کے نزدیک سالک بھی تین قسموں میں منقسم ہیں یعنی سالک، واقف اور راجع۔

۱۔ سالک وہ ہے جو رستہ چلتا ہے۔

۲۔ واقف وہ ہے کہ جس کی ترقی رُک جائے۔ ایسا اطاعت میں فتور آنے کے باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا فوری توجہ و استغفار کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ پھر سالک بن جائے۔

۳۔ راجع وہ ہے جو اپنی اصلی حالت پر بوجہ نیت میں فتور آنے کے پھر واپس آجاتا ہے اور ایسا اس لیئے ہوتا ہے کہ وہ توبہ و استغفار سے کام نہیں لیتا۔



Marfat.com

## کیا ایک انسان جو کسی کا مرید نہ ہو، وہ سالک نہیں ہو سکتا۔؟

ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیا ؒ سے مولانا حافظ سراج الدین بدایونی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث ہے کہ جس کا پیر نہیں ہوتا اُس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ قول مشائخ کا ہے۔ پھر اس موقع پر ایک درویش کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا جو کسی کا مرید نہ ہو تو کہتا کہ یہ کسی کے پلّے میں نہیں بیٹھا۔ یہاں وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ ایسا انسان کوئی وزن نہیں رکھتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کسی پیر کا مرید ہوتا ہے تو جو کچھ عمل وہ کرتا ہے کل قیامت کے دن وہ عمل اس کے پیر کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اسی لحاظ سے یہ محاورہ بنا ہے کہ فلاں آدمی کسی کے پلّے میں نہیں بیٹھا ہے یعنی پیر نہیں رکھتا ہے۔

### اطاعتِ مرشد

جس طرح قیادت کے اہم عنصر نظم وضبط اطاعت اور فرمانبرداری سمجھے جاتے ہیں، بالکل اسی طرح راہِ سلوک میں مرشد کی پیروی بھی ضروری تصور کی جاتی ہے اس کا حکم بے چوں چرا تسلیم ہونا چاہیئے اور یقین کے ساتھ کہ وہ بہتر جانتا ہے کہ ہمارے حق میں کیا مناسب ہے۔ ایسا کئے بغیر راہ کی دشواریوں پر قابو پانا مشکل ہے۔ کامیابی کے لئے خلوص نیت چاہیئے۔ لیکن اس کی اطاعت سے وہ بندگی مراد نہیں جو صرف اللہ کا حق ہے۔ سجدہ صرف اللہ کو کیا جاتا ہے کوئی بندہ اس کا مستحق نہیں۔ اگر کوئی پیر اسے اپنے حضور روا رکھے یا اس کا مطالبہ کرے تو وہ صوفی نہیں بلکہ زندیق ہے۔



Marfat.com

## مرشد سے محبت

دوسری چیز جس کا تصوف میں سالک کو خیال رکھنا ہوتا ہے وہ محبت ہے

اللہ تعالیٰ سے محبت ، رسول پاکؐ سے محبت اور اس کے بعد مرشد سے محبت ۔ محبت کی بدولت اطاعت آسان ہو جاتی ہے ۔ لہٰذا اعمال صالح کو خود بخود فروغ ہوتا ہے ۔ اپنی مرضی ، اپنی خواہش اور اپنی ضرورت پر ہر دم محبت کا غلبہ رہتا ہے ۔ محبت نفرت اور حسد کی بیخ کنی کرتی ہے ۔ اس کی بدولت سالک راہ کی ناہمواریوں سے خراماں خراماں گذر جاتا ہے اور آبلہ پائی کا خوف اُسے منزل سے باز نہیں رکھتا ۔ یہ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ نوجوان عراقی مست و بے خود ہو کر یہ شعر پڑھتا تھا ۔

جو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی راچرا بدنام کردند

کہ نوازش ہائے بیکراں نے اُسے کہاں کہاں پہنچا دیا ۔

## توبہ و استغفار کی اعانت

سالک کے لئے توبہ و استغفار نہایت ضروری ہے ۔ اس کے ذریعے لغزشوں کی نفی ہو جاتی ہے ۔ اور وہ واقف یا راجع نہیں ہو جاتا ۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب کوئی صدق دل سے توبہ کرتا ہے تو توبہ سے قبل کے کئے ہوئے گناہ کے مواخذہ سے بچنے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے توبہ کی تین قسمیں بتائی ہیں ۔ پہلی قسم حال ہے ، دوسری ماضی اور تیسری مستقبل حال کی توبہ یہ ہے کہ انسان اپنے کئے پر نادم ہو اور ماضی کی توبہ یہ ہے کہ وہ اس بات کی پختہ نیت کر لے کہ کبھی دوبارہ وہ گناہ نہیں کرے گا ۔ اور کی توبہ یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں یا ستائے ہوؤں کو راضی کر لے ۔ اس طرح سالک کا کردار منزہ رہے گا اور وہ راہ بھٹکنے سے بچ جائے گا ۔



Marfat.com

## ثابت قدمی

"تیسری شرط بعیت میں ثابت قدمی کی ہے۔ چاہے کتنی بھی مشقت پڑ جائے، شیخ کی ہدایت پر عمل جاری رکھنا چاہیئے۔ ذکر کا سلسلہ چلنا چاہیئے۔ تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق پر ہردم توجہ دینی چاہیئے۔ اُسے بس اس یقین کے ساتھ کوشش کرتے رہنا چاہیئے کہ بالآخر مقصد حاصل ہو کر رہے گا۔ شیخ سہیل بن عبداللہ التستری کا قول ہے " سب سے پہلا کام جو مبتدی مرید کو (تصوف میں) سکھایا جاتا ہے وہ یہ کہ بُری حرکتوں سے بیزاری کا اعلان کرے۔ اس کے بعد اچھے کام کرکے خدا کے کام کے لئے وقف ہو جائے بعد آزاں راہ ہدایت پر چل کر ثابت قدمی دکھائے۔ پھر بیان قرب اور مناجات کی منازل بھی علی الترتیب طے کرے۔ اس کے بعد موالات و مضافات ہے۔"

اس ثابت قدمی کا شاخسانہ یہ بھی ہے کہ مرشد سے عقیدت کسی صورت میں بدلنی نہیں چاہیئے تاوقتیکہ اس سے شرک اور بدعت کا اظہار نہ ہو اور ایسا صرف مصنوعی پیر ہی کر سکتے ہیں۔ شریعت اور طریقت دو الگ چیزیں نہیں نہ اُن میں تضاد ہے اور نہ تفاوت۔ ان کی ہم آہنگی ہی پیر کو پیر بناتی ہے۔ ورنہ وہ نیم پختہ اور نیم مکمل ہی رہتا ہے۔ چاہے لاکھ خوارق اُس سے وجود میں کیوں نہ آئیں۔

ثابت قدمی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مرید جس مرشد کا دامن پکڑ لے پھر اُس کا ہو کر رہ جائے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا ہدایت کا طریقہ ہے اور اپنا اپنا رنگ رہنمائی کا انداز بھی منفرد ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر مرید ایک کی اعانت پر قناعت نہ کرے تو نقصان پہنچنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ آدھی کو چھوڑ پوری پہ جاوے آدھی رہے نہ پوری پاوے۔

یہاں یہ نکتہ اور قابل غور ہے۔ تصوف کی کتابیں پڑھ کر یا بزرگان دین



Marfat.com

کے تذکروں کا مطالعہ کر کے کوئی صوفی یا مرشد نہیں بن جاتا۔ اسی طرح محض اذکار اور ریاضتوں کی بدولت سالک کی تربیت مکمل نہیں ہوتی۔ اُسے اپنے اخلاق اور کردار کو بھی سنوارنا ہوتا ہے اور شریعت کے تقاضوں کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔

## خوارق مرشد کی عظمت کا باعث نہیں

خوارق پر کوئی حقیقی بزرگ فخر نہیں کرتا اور وہ اس لئے کہ صوفی کا اصل مقصد تو اللہ کی محبت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اب خوارق کا ذکر آیا ہے تو اس سے متعلق چند واقعات بھی سُن لیجئے۔ یہ قصّے اور کہانیاں نہیں۔ یہ آپ بیتی ہیں (۱)، ۲۷ سال پرانی بات ہے ایک رات نیم بیداری اور خواب کے عالم میں مَیں نے دیکھا کہ شاہ صاحب جن سے پہلے کبھی اپنے بڑے بھائی جناب عبدالرحمٰن صاحب کے یہاں ملاقات ہوئی تھی، اُن کی بیٹھک میں کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ میں تمہارے لئے یہ مچھلی لے کر آیا ہوں اسے کھا لو۔ اس وقت میں صوبہ سرحد کے شہر کوہاٹ میں تھا۔ سوچ میں پڑ گیا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ صبح وسویرے جب دفتر پہنچا تو مجھے اطلاع دی گئی کہ مجھے ڈیوٹی پر فوراً کراچی جانا ہے اور اس کے لئے جہاز کے ٹکٹ اور سیٹ کا بھی بندوبست ہو گیا ہے۔ بڑا تعجب ہوا کہ پہلے سے اس کا کوئی امکان نہ تھا۔ لہٰذا جب کراچی پہنچا تو ازراہِ تجسس بجائے کہیں اور جانے کے سیدھا اُن بھائی کے گھر کا رُخ کیا جہاں گذشتہ شب شاہ صاحب کو دیکھا تھا۔ بھائی جان مجھے دیکھ کر بہت مسکرائے اور

---

(۱) آپ کا نام رسول بخشؒ تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے اور آنکھوں کے ڈاکٹر



Marfat.com

کہا کہ شاہ صاحب آدھ گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ تمہارے لئے مچھلی پکا کر لائے ہیں۔ اندر گیا تو واقعی شاہ صاحب موجود تھے مع ایک تلی ہوئی مچھلی کے۔ اس طرح مجھے اپنا حصّہ مل گیا۔ اس ملاقات کے بعد پھر شاہ صاحب سے کبھی ملنا نہ ہوا۔ ایسے ہی کچھ خوارق ہمارے ایک اور کرم فرما ڈاکٹر صاحب قبلہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عجوبۂ روزگار تھے۔ عاجزی اور انکساری میں بے مثال۔ صاحب دل اور صاحب بصیرت تھے۔

بات سے بات نکلتی ہے۔ ایک واقعہ اور بیان کرتا چلوں۔ ایک بار جی چاہا کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے ملنا چاہیئے۔ وہ اُن دنوں لاہور میں مقیم تھے۔ جب یہ خیال آیا اس وقت میں کراچی سے بذریعہ پی۔آئی۔اے پنڈی جانے کا بندوبست کر رہا تھا اور بُکنگ کاؤنٹر پہ کھڑا تھا۔ آفیسر متعلقہ سے بات کی اور کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ میں لاہور ہوتا ہوا پنڈی جا سکتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ لاہور پہ جہاز کا قیام بہت مختصر تھا۔ اور گلبرگ تک جانا مشکل۔ بہر حال ہمت کر ڈالی۔ لاہور پہنچا تو آنے جانے کے لئے صرف ۴۵ منٹ میرے پاس تھے۔ ابھی اس شش و پنج میں تھا کہ جاؤں، نہ جاؤں کہ اعلان ہوا " پنڈی جانے والا جہاز کل پرزوں کی خرابی کے باعث دو گھنٹے بعد پرواز کرے گا "۔ میں نے اعلان سنتے ہی ٹیکسی پکڑی اور چل پڑا۔ معاً خیال آیا کہ پہلے مال روڈ پہ الفلاح بلڈنگ میں ماڈرن کمفرٹس کے یہاں جھانک کر دیکھ لوں شاید خواجہ صاحب وہاں تشریف فرما ہوں۔ یہ اُن کے ایک مرید کی دکان تھی جہاں وہ کبھی کبھار آکر بیٹھتے تھے۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مل کر بڑے خوش ہوئے جلدی سے چائے منگوائی۔ میں نے کہا عجلت میں ہوں۔ جہاز نکل جائے گا۔ مسکرا کر بولے تمہاری مرضی۔ ویسے



Marfat.com

ہم چاہتے تھے کہ چائے پی کر جاؤ۔ میں معذرت کر کے ائیر پورٹ کے لئے روانہ ہو گیا۔ آدھا راستہ گذارنے کے بعد بریف کیس کا خیال آیا۔ ادھر اُدھر نظر دوڑائی کہیں نہ دکھائی دیا۔ گھبرا کر واپس لوٹا دیکھا کہ بریف کیس رکھا ہوا ہے چائے میرا انتظار کر رہی ہے اور خواجہ صاحب بدستور اُسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ بولے اب تو پی لو۔ حکم کی تعمیل کی اور پھر سے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اب مجھے پورا یقین تھا کہ جہاز نہیں ملے گا۔ ائیر پورٹ کی عمارت میں داخل ہوا تو پتہ چلا کہ جہاز چلنے ہی والا ہے۔ ٹارمیک کی طرف لپکا۔ پی، آئی۔ اے کے ایک افسر نے مجھے روکا " صاحب کہاں جاتے ہو۔ یہ بوئنگ ہے۔ ایک دفعہ چل پڑے تو رکتا نہیں "۔ میں نے کہا " مجھے جانے دو "۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ جہاز کے پنکھے گھومتے گھومتے یکایک رُکنے لگے اور پائلٹ نے کوک پٹ (جہاز چلانے والے کی سیٹ) سے میری طرف اشارہ کر کے پی، آئی، اے کے ایک آفیسر کو اشارہ کیا کہ اُن صاحب کو بلاؤ۔ میرے چڑھانے کے لئے سیڑھیاں لگیں اور میں بخیر و عافیت منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے۔ چشم دید اور سراسر حقیقت۔ میرے والد محترم حاجی شمس الحسن صاحبؒ اپنے زمانے کے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ مگر خاموش طبع، رات بھر عبادت کرتے اور دن بھر فرائض زندگی کی ادائیگی اس انداز سے ہوتی گویا کہ وہ بھی عبادت کا ایک حصّہ اور جزو ہو۔ سینکڑوں کی دستگیری کی، ہزاروں اُن کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ جب آخری وقت آیا تو میرے بڑے بھائی کی آمد کا انتظار تھا۔ متواتر ایک ہفتہ تک اُن کی راہ دیکھا کئے۔ ایک دن جب میں دفتر سے لوٹا تو فرمایا کہ اپنے بھائیوں کو اطلاع دے دو کہ ہمارا آخری وقت آگیا ہے اور کفن دفن کا بندوبست کرو۔ اس وقت دن

Marfat.com

کے ڈھائی بجے تھے ۔ سب بھائی اپنے اپنے دفتروں میں تھے ۔ فوراً فرداً فرداً ان سب کو اس بات کی خبر دے دی گئی اور اُن کی تجہیز و تکفین کے انتظامات شروع ہو گئے ۔ ہمیں معلوم تھا کہ آپ جو کچھ فرماتے تھے سچ فرماتے تھے ۔

عصر کا وقت قریب آیا تو ارشاد ہوا کہ سب بچوں کو نماز مغرب سے پہلے کھانا کھلوا دو ۔ جب سارے انتظامات مکمل ہو گئے تو پہلے والدہ ماجدہ سے تنہائی میں باتیں کیں پھر ہم سب کو اپنے قریب جمع کر کے لیٹے لیٹے ایک مدلل وعظ فرمایا جس میں حقوق العباد ، ماں کی عظمت اور ولائے رسولؐ پر بہت زور دیا ۔ اس کے بعد کہا کہ میں آج تم سے بہت خوش رخصت ہوتا ہوں ۔ میرے جانے پر رونا نہیں کہ سب کو ایک نہ ایک دن یہ سفر طے کرنا ہے

---

جناب شمس الحسن ؒ صاحب کے والد ماجد کا نام شیخ شفقت حسن صاحب تھا ۔ آپ ڈبائی ( بلند شہر ) یو ۔ پی بھارت سے تعلق رکھتے تھے ۔ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے ۔ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم پائی اور وہیں سے وکالت کی ڈگری حاصل کی ۔ کچھ عرصہ اسی ادارہ میں قانون پڑھایا پھر منصف ہو گئے اور ۱۹۳۶ء میں بحیثیت ڈسٹرکٹ سیشن جج کے پنشن پہ گئے ۔ ریاستہائے ٹونک اور مالیر کوٹلہ میں وزیر انصاف رہے ۔ ۶۶ برس کی عمر میں ۱۹۴۸ئہ میں بمقام کراچی انتقال ہوا ۔ دینی اور دنیاوی علوم کا بڑا اچھا مطالعہ تھا ۔ آپ کا اپنا ذاتی کتب خانہ تھا جس میں ہر مذہب سے متعلق کتابیں موجود تھیں آپ نے قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی ۔ مگر وہ ہجرت کے وقت تلف ہو گئی آپ کا سلسلہ نصب خواجہ امیر کلال سے جا ملتا ہے جن کے مشہور مریدوں میں سے کوہاٹ کے حاجی بہادر صاحب ؒ ایک ہیں ۔ اُنہوں نے اورنگ زیب کا زمانہ پایا اور فتاوی عالمگیری کی تدوین کے لئے بلائے گئے ۔ حضرت خواجہ سید امیر کلال ؒ نقشبندیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے ۔

ہاں ! میرے مرنے کے بعد جتنی جلدی ہوسکے مجھے دفن کر دینا۔ پھر نماز مغرب ادا کی اور اس کے بعد دو نفل شکرانہ کے پڑھے کہ بالآخر خالق نے یاد فرمایا اور جہان فانی کی آلائشوں سے چھٹکارا ملا میرے سب سے چھوٹے بھائی اظہر حسن صدیقی سے جو حافظ قرآن بھی ہیں سورۃ یٰسین سُنی اور اس کے بعد برادر بزرگ جناب عبداللہ حسن صاحب کو اشارہ کیا کہ جسم پر چادر ڈال دیں۔ یوں چشم زدن میں وہ ہم سے جُدا ہوئے کہ زبان پر نام اللہ کا اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی نہ سانس اُکھڑا اور نہ چہرہ سے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار ہوا۔ اقبال ؒ نے سچ ہی تو کہا تھا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

یہی کچھ ہماری والدہ ماجدہ اصغری بیگم صاحبہ کے ساتھ ہوا۔ تہجد گذار اور نہایت پارسا خاتون تھیں۔ اُن کا زیادہ تر وقت عبادت اور وظائف پر صرف ہوتا۔ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھتیں۔ جب آخری وقت آیا تو اسی اعتکاف سے فارغ ہوئی تھیں۔ ایک روز اپنے سب قریبی رشتہ داروں سے ملنے کے لئے نکلیں اور چپکے چپکے اپنے کپڑے ان میں تقسیم کر آئیں۔ بھائی سے کہا کفن اوپر نکال کر رکھنا تاکہ ضرورت کے وقت دقت نہ ہو۔ رحلت سے تین دن پہلے سب سے قطع تعلق کر لیا۔ بیشتر وقت غنودگی کے عالم میں رہتیں۔ جب ہوش آتا تو صرف لیٹے لیٹے نماز پڑھتیں مگر بات کسی سے نہ کرتیں۔ اسی انداز سے ایک دن دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

بعینہٖ روحانی طاقت کے بل پر لوگوں کو نظارے بھی کرائے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ قلم بند ہے۔ کوئی سترہ سال پہلے میں، میجر صادق اور ہمارے ایک دوست ہم سفر تھے۔ کوہاٹ سے پنڈی جا رہے تھے میجر صادق



Marfat.com

کی عادت تھی کہ لوگوں(۱) سے چھیڑ چھاڑ کرتے ۔ انہوں نے گارڈ صاحب (۲) کو جھنڈی ہلاتے دیکھا تو فوراً جملہ کس دیا " وہاں کی گاڑی بھی چلانا جانتے ہو کہ بس یہیں جھنڈی دکھانا آتی ہے " یہ سن کر گارڈ صاحب بہت مسکرائے ۔ باریش بزرگ صورت انسان تھے ۔ پیشانی پر بڑا سا سجدہ کا نشان ۔ فرمایا " اگر وہ بھی دیکھنا چاہتے ہو تو آ جاؤ ہمارے ڈبے میں " لہٰذا ہم دندناتے ہوئے ان کے ڈبہ پر حملہ آور ہوئے ۔ جب ٹرین چل پڑی تو انہوں نے اپنے ننھے منھے ناشتہ دان سے کچھ خورد و نوش کا سامان نکالا اور اس کے بعد ذکر حبیب ؐ شروع کیا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈبہ جھنجھنا اٹھا ۔ ہم کسی اور دنیا میں پہنچ گئے ۔ جب ہم اس سفر سے لوٹے تو دیکھا کہ ہماری ٹرین جو لیٹ جا رہی تھی ۔ کسی اسٹیشن کے بیرونی سگنل پر قبل از وقت پہنچ کر اجازت کا انتظار کر رہی ہے ۔ ہم حیران و ششدر گارڈ صاحب کے ڈبے سے نیچے اتر آئے ۔

" روحانی طاقت کے ذریعے بزرگان دین موجود چیزوں کو بھی ناظرین کی نظروں سے غائب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ وہیں ہوتی ہیں اور وہ خود بھی اسی طرح

---

(۱) میجر صادق دستِ شفا کے لئے مشہور تھے ۔ پانی میں ہاتھ ڈال کر اسے بطورِ دوا مریض کو پلاتے تھے ۔ ہزاروں لوگ ان سے فیض یاب ہوئے ۔

(۲) آپ کا اسم گرامی الحاج میر عبدالرحمٰنؒ تھا ۔ بڑے پایہ کے بزرگ تھے اکثر وَنَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ( یعنی ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں ۔ ) پڑھ کر زار و قطار روتے ۔ آخری زمانے میں جذب کی کیفیت بہت بڑھ گئی تھی ۔ چاہا کہ روضۂ اقدس پہ جان نچھاور کر دیں ۔ کہتے ہیں تین بار حاضر خدمت رہے ۔ بار بار بشارت ہوئی کہ بغداد شریف جاؤ ۔ کچھ دن بعد پاکستان لوٹے ۔ پنڈی میں گوشہ نشین ہو گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا ۔

غائب ہو جاتے ہیں۔ اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے ہزاروں میل کے فاصلے پر دوستوں سے جسمانی ملاقات کر لیتے ہیں۔ ہوا میں اُڑ سکتے ہیں۔ مادہ کے پار گزر سکتے ہیں برسوں زمین میں دفن رہنے کے بعد زندہ نکل آتے ہیں۔ مٹی کو ہاتھ لگا کر سونا بنا دیتے ہیں۔ مردے زندہ کر سکتے ہیں۔ دوزخ اور جنت میں پہنچ کر وہاں کی سیر کر آتے ہیں۔ بلکہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں۔

اگرچہ کاملین کو وہ سب کچھ طاقت ہوتی ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کو تضیع اوقات اور حرکات طفلانہ سمجھ کر نہیں کرتے ہاں اگر اللہ کا حکم ہو تو سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کامل صوفیوں کے علاوہ اور لوگ جو خوارق دکھاتے ہیں ........ وہ اللہ کے حکم کے بغیر خود اپنی مرضی اور اختیار سے ہی ایسا کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی روحانی طاقت بہت معمولی قسم کی ہوتی ہے۔ جو چند قسم کی مقررہ پریکٹسوں سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس پر قابو پانے کے بعد وہ مختار ہیں کہ جب چاہیں دکھائیں۔ ان لوگوں کا مقصد ذاتی نفع، نام و نمود اور شہرت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں بطور پیشہ اور فن کے اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں کرتے۔ صوفیائے کرام و عظام بھی اپنی مرضی سے جب چاہیں کرامات دکھا سکتے ہیں۔ لیکن ان کو مشیتِ الٰہی کا پتہ ہوتا ہے اور جہاں مشیتِ الٰہی اُن کی خواہش کے خلاف ہوتی ہے وہاں یا تو وہ کرامات دکھانے کا ارادہ ہی ترک کر دیتے ہیں یا خدا سے اِذن طلب کرتے ہیں۔"

خواجہ انصاریؒ سے اُن کے مرید بعض اہم باتوں میں مشورہ لینے آتے تو فرماتے کہ کل آنا۔ اگر اللہ کی مرضی حاجت مند کی مرضی و خواہش کے مطابق نہ ہوتی تو وہ صاف طور پر بتا دیتے کہ اللہ کی مرضی اس میں نہیں ہے۔ اس باریک نکتہ کو عقلی دلائل کی بنا پر سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہے لیکن جس نے خود کو رضائے الٰہی پر چھوڑ



Marfat.com

دیا ہو اور صدق دل سے اس بات کی خواہش کی ہو کہ اللہ اس بات کی اسے توفیق دے کہ جو بھی عمل اس سے سرزد ہو اُس میں اُس کی رضا شامل حال ہو تو پھر اس کی ہدایت اور رہبری بھی اسی انداز سے ہو جاتی ہے اور اس پر مشیت الٰہی کا القا ہونا ممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن جن کو یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے وہ اس کے بلند بانگ دعوے نہیں کرتے بلکہ عاجزی اور انکساری اپناتے ہیں اور اپنی زبانوں پر تالے لگائے رکھتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں انصاری صاحب ہی کا ایک واقعہ میرے دوست اکبر خان صاحب نے بیان کیا۔ پاکستان کے قیام سے پہلے کی بات ہے۔ وہ اس زمانے میں ہوائی فوج میں ملازم تھے اور دکن کے ایک دور دراز علاقہ میں تعینات۔ وہاں کے ماحول سے بڑے تنگ تھے۔ جب بالکل عاجز آ گئے تو اُنھوں نے انصاری صاحبؒ کو لکھ کر دعا فرمائیں کہ اُن کا دہلی تبادلہ ہو جائے ۔ اس عرصہ میں اتفاق سے اکبر صاحب کے افسرِ اعلیٰ اُن کا یونٹ دیکھنے آئے تو اُنھوں نے ان سے بھی درخواست کی کہ مجھے دہلی بلا لیا جائے۔ اُنھوں نے کہا کیوں نہیں! مجھے ان دنوں ایک قانون دان افسر کی ضرورت ہے ۔ تم اس اعتبار سے میرے لئے بہت مناسب ہو بس جانے کی تیاری کرو۔ واپس لوٹتے ہی تمہاری منتقلی کے احکامات جاری کر دوں گا۔ اکبر صاحب بقول اُن کے پھُولے نہ سمائے ۔ فوراً انصاری صاحبؒ کو لکھا جناب تو کہتے تھے دہلی نہیں پشاور جانا ہو گا لیکن میں تو اب دہلی آ رہا ہوں۔ جواب آیا: اللہ کا حکم کچھ اور ہے تم پشاور ہی جاؤ گے اور ایسا ہی ہوا۔ کچھ دن بعد حاکمِ اعلیٰ نے تبادلے کے سلسلے میں معذوری کا اظہار کیا اور وہ پشاور بھیج دیئے گئے ۔

ایسے ہی اور بہت سے واقعات دوسرے بزرگانِ دین کی ذات سے وابستہ ہیں ۔ یہاں طوالت کے خیال سے انہیں تحریر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔ جو



Marfat.com

بات اس ضمن میں یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ یہ ربطۂ خاص ان کی روشن ضمیری کا ثمر ہوتا ہے۔ ۱۰ رجون ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ اسلام آباد میں ایک بزرگ سید المعبود گیلانی سے ملاقات ہوئی اس وقت اُن کی عمر ۱۵۶ سال تھی۔ پھر بھی آپ ماشاءاللہ تندرست و توانا نظر آتے تھے۔ سوات کے رہنے والے تھے اور زہد و تقویٰ میں بے مثال۔ ہم جب ان سے ملنے پہنچے تو ظہر کی نماز کا وقت تھا میرے ایک دوست نے وہاں سے تھوڑی دُور ہٹ کر ظہر کے فرض ادا کئے مگر بغیر قصر کئے ہوئے۔ ہمارے محترم بزرگ نے انہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا نہیں تھا پھر بھی اپنی روحانیت کی بنا پر انہیں اس بات کا علم ہو گیا۔ مخاطبین سے ضمناً فرمایا "ارے بھئی سفر میں اللہ نے آسانی دے رکھی ہے تو اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے"۔ اس طرح انہوں نے ہمارے ساتھی کو تنبیہ کیا اور ایسا اس لئے کیا کہ بزرگ کا فرض ہر حال میں لوگوں کی اصلاح ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ان بندگانِ خدا کی خاطر اللہ اپنی مشیت کو بدل دیتا ہے اور وہ کرامات دکھا دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس بات کے لئے اللہ کا اذن نہ ہو تو وہ ایسا نہیں کرتے۔ صوفیائے کرام تو اللہ تک رسائی چاہتے ہیں۔ اُن کا مقصود کرامات کی قوت پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ یہ طاقت تو سلوک کی مسافت کے دوران خود بخود میسّر آجاتی ہے۔ ایک طالب ان کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا اور اپنی دُھن میں لگا رہتا ہے۔ اگر وہ اس قسم کی طاقتوں کی طرف متوجہ ہو جائے اور کرامات کے پیچھے لگ جائے تو اللہ تک اس کی پہنچ کیونکر ممکن ہے۔ جو سالک اللہ تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی بات ہی اور ہوتی ہے وہ اسے نیم پختہ سالکوں کی طفلانہ مزاجی قرار دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بزرگانِ دین کی توجہ اور دعا سے لوگوں کے بہت سے کام بن جاتے ہیں، مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ پریشانیوں سے چھٹکارا ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کا فیض میسّر آتا ہے۔ لیکن ان کا اصل کام اجتماعی اصلاح



Marfat.com

ہوتا ہے۔ وہ انسانیت کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں اور اسی طرف اُن کی بیشتر توجہ مبذول ہوتی ہے۔

یہاں ایک سوال ہمارے ذہن میں آتا ہے اور وہ یہ کہ اصلاح کا کام کرنے کے لئے دنیا پڑی ہے۔ سیاستدانوں سے لے کر سماجی کارکن یہ کام سنبھال سکتے ہیں اہل دل اور روحانیت کی کیا ضرورت ہے تو اس سلسلہ میں خواجہ صاحبؒ کا ایک جملہ یاد آتا ہے۔ جو اس حاجت کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ "ایک تار جس میں بجلی نہ ہو ہرگز وہ کام نہیں کر سکتا جو بجلی سے بھرا ہوا ایک "لونگ وائر" یعنی زندہ تار کر سکتا ہے۔ اہل روحانیت بھی ایک زندہ تار کی طرح ہوتے ہیں اُن کی رگ رگ میں ایسی برقی قوت اور مقناطیسی کشش ہوتی ہے کہ لوگ خواہ مخواہ اُن سے محبت کرنے لگتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور بہت جلد نیک اور اچھے شہری بن جاتے ہیں۔" اس کے علاوہ ان کی بُری عادتوں سے چھٹکارہ دلا سکتے ہیں۔ اور اپنے اخلاق حسنہ سے اپنی صحبت میں بیٹھنے والوں کو سنوار سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے سینکڑوں ایسے واقعات ہیں جن سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ رہزن، قاتل، زانی، جواری اور عیاش ان بزرگوں کے فیض کے طفیل نہ صرف انسان بن گئے بلکہ روحانیت کے اعتبار سے اُنہوں نے بڑے مرتبے حاصل کئے۔

دوسرا سوال جو اس سلسلے میں عام طور پر اٹھایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جب کلام اللہ موجود ہے۔ سیرت رسول اور احادیث نبوی ہماری رہبری کے لئے ہیں تو پھر تصوف اور صوفی کی کیا ضرورت ہے اس کا جواب ہمیں تاریخ فراہم کرتی ہے۔ دراصل صوفیہ کی جماعت بعض تاریخی عوامل کی بنا پر وجود میں آئی۔

اور اس کا مقصد مسلمانوں اور اُن کے عقائد کو طاغوتی قوتوں کی زد سے بچانا تھا خلافتِ راشدہ جب ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور اس طاقت کے زعم میں جب

ظلم وستم کا بازار گرم ہوا تو بندگانِ خدا نے حکومت سے اپنا تعلق ترک کر کے جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر خود اپنا نمونہ عوام کے سامنے پیش کیا اس ابتدائی دور کے بزرگوں میں حضرت مالک دینارؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ اور حضرت ابراہیم ادھمؒ تھے یہ بزرگان دین بادشاہوں سے دور رہتے تھے اور کبھی اُن سے ملنا ہوتا تو اُن کے اعمالِ قبیح پر سختی سے ان کو تنبیہ کرتے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے کوڑے کھانے گوارا کئے لیکن بادشاہ وقت کی بات نہ مانی۔

دوسرا دور ان بزرگوں کا آیا جنہیں بنو عباس کے زمانہ میں یونانی فلسفہ کی عقلیت کا چیلنج قبول کرنا پڑا۔ اُنہوں نے مذہبی عقائد پر اُن کے تابڑ توڑ حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب یونان کے فلسفوں کی کتابیں اونٹوں پر لاد کر دارالخلافے میں لائی گئیں اور لوگوں نے اُن سے غلط تاثر لینا شروع کیا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ، معروف کرخیؒ، ذوالنون مصریؒ، شیخ فریدالدین عطارؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ اس نازک گھڑی میں کتاب اللہ کے محافظ بنے۔ غرضیکہ صوفیہ نے ہر کٹھن منزل پر اسلام کی بڑی عظیم خدمت کی۔ یہ ضرور ہے کہ اس روزمرّہ میں ہر ایک کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات ہر گروہ اور ہر جماعت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اچھے بُرے انسان کہاں نہیں ہوتے۔ خرقہ پوشی زہد و تقویٰ کی سند تو نہیں۔



Marfat.com

# ذکر و فکر کی کیا ضرورت ہے؟
# قلب کے جاری ہونے سے
# ہماری کیا مُراد ہے؟

# عملی سلوک

جس روحانی طاقت کی اب تک بات ہو چکی ہے وہ ہر سالک ایک مخصوص تربیت کے بعد حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تربیت عملی سلوک کہلاتی ہے۔ مختلف صوفیائے کرام نے سلوک کے قاعدوں اور طریقوں میں تبدیلیاں کر کے مختلف ناموں سے انہیں ترتیب دیا ہے مثلاً محاسبی، قصاری، رفاعیہ، جنیدی، نوری سہلی، حکمی، خرازی، قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، مولویہ، رفاعیہ شاذلیہ، شطاریہ، فارسیہ، عربیہ، اکبریہ، کبرویہ، نظامیہ، صابریہ اور توحیدیہ۔ آخرالذکر طریقہ جدید ترین مستند طریقہ ہے۔ لہٰذا اس کو عملی سلوک کی اساس بنا کر تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے۔ یہاں یہ ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ سلسلہ چاہے جو بھی ہو اس میں اللہ کی قربت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرنے کے لئے ایک سالک کو کچھ نہ کچھ مخصوص... اوراد، افکار، اعمال، اشغال اور طریقے اختیار کرتے ہوئے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ان ہی کی بدولت اس کو غیبی چیزوں کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً فرشتے، دوزخ، جنت اور مبداء و معاد۔ یہ عملی سلوک چار چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱۔ ابتدائی آداب۔
۲۔ ذکر و فکر۔
۳۔ مجاہدہ۔
۴۔ تزکیۂ اخلاق۔



Marfat.com

## ابتدائی آداب

ابتدائی آداب کے سلسلہ میں مختصراً کچھ پہلے لکھا جاچکا ہے۔ لہٰذا یہاں اس کا اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس ضمن میں صرف یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سالک کو مرشد سے محبت اور عقیدت کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیئے۔ یعنی اس کی محفل میں بیٹھے تو تمیز سے بیٹھے بلا وجہ باتیں نہ کرے آواز اونچی کر کے نہ بولے آئے تو سلام کرے، جائے تو رخصت لے کر جائے۔ جو کچھ بھی مرشد کہے اسے غور سے سُنے، غیبت، چغلی اور ہرزہ گوئی سے بچے۔ جہاں بھی جگہ ملے خاموشی سے بیٹھ جائے خواہ وہ جگہ تنگ ہی کیوں نہ ہو۔ نو واردوں کو مرشد کی صحبت سے زیادہ فیض یاب ہونے کا موقع دے۔ اگر مرشد کے قریب بیٹھا ہو تو ان کی خاطر اُٹھ جائے جتنی دیر حاضری میں رہے۔ اللہ کا ذکر دل ہی دل میں کرتا رہے اور فیض روحانی کی تمنا کرائے۔ یہ سب وہی آداب ہیں جو حضور پاکؐ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو سکھلائے گئے تھے۔ اس سے راہِ سلوک میں شریعت کی پیروی کا مزید اظہار ہوتا ہے۔ اور یہیں پتہ چلتا ہے کہ صوفیائے کرام نے اس قدر احتیاط برتی ہے۔

## ذکر و افکار

ذکر اللہ کی یاد کا نام ہے اور اس کا اعلیٰ مقام احسان ہے یعنی اللہ کی یاد اس انداز سے ہو گویا وہ نظر کے سامنے ہے اور اللہ سے ذاکر کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ پھر اس کے ذکر پر محبت اس قدر غالب ہو کہ بجز اس ذات پاک کے کسی اور کا خیال نہ آئے تاکہ قرب حقیقی نصیب ہو۔ ذکر کو قرآن پاک میں اکبر الاعمال کہہ کر پکارا گیا ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ لیکن صدق دل سے ذکر کرنا شرط ہے۔ کیونکہ اس کے دوسرے ٹکڑے میں فرمایا گیا ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ یعنی جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اُس کی نظر تمہارے ہر فعل پر ہے۔ پس واجب آیا کہ جب ذکر کیا جائے تو اس



Marfat.com

طرح کہ یہ ذکر قلب میں اتنا رچ بس جائے کہ جو بھی عمل سرزد ہو اور جو بھی خیال ذہن میں اُبھرے وہ اللہ کے لئے ہو اس میں اسی کی خوشی ملحوظ ہو ۔ قلب و بدن ، فکر و عمل سب ایک ہی محور کے گرد گھوم رہے ہوں۔ اسی لئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور اس میں فکر کرنا عبادت ہے۔

اس ذکر میں پانچ چیزیں شامل ہوتی ہیں ۔

۱۔ پاسِ انفاس ۔

۲۔ نفی اثبات ۔

۳۔ نماز ۔

۴۔ نوافل ۔

۵۔ تلاوتِ قرآن مجید ۔

## پاسِ انفاس

پاس انفاس کے معنی ہیں سانسوں کا خیال یا ان کی نگہداشت اور وہ اس طرح کہ جو بھی سانس اندر جائے یا باہر آئے اس کے ساتھ لفظ اللہ منسلک ہو لیکن اللہ دل سے کہا جائے۔ زبان سے نہیں پھر یہ اس طرح کہا جائے کہ معمولی سانس کی وُسعت پر پھیلا ہوا ہو۔ نہ لمبے سانس لئے جائیں اور نہ اس کے کہنے میں جلدی کی جائے دل سے لفظ اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ذہن میں یہ تصوّر لیا جائے کہ سارے ماحول پر اللہ تعالیٰ کی ذات مسلّط ہے۔ کل کائنات میں وہ ہی سمایا ہوا ہے۔ گرد و پیش کا ذرّہ ذرہ اس کا اظہار کر رہا ہے بس وہ ہی وہ ہے اور کچھ نہیں ۔ اُٹھتے بیٹھتے ، چلتے ، پھرتے ، سوتے ، جاگتے یہ عمل جاری رہنا چاہیئے اور اس عمل کا انداز یہ ہونا چاہیئے کہ جب لفظ اللہ دل سے نکلے تو کان اس کو سُن سکیں یہ بات بڑی عجیب و غریب معلوم ہوتی

ہے۔ لیکن مشق کرنے کے بعد کچھ عرصہ میں ایسا ہونے لگتا ہے۔ اس ذکر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سالک کا دھیان اللہ سے کبھی غافل نہ رہے۔ دماغی مشاغل ضرور اس ذکر میں ابتداً خارج ہوتے ہیں لیکن جلد یا بدیر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ان مشاغل کے باوجود اللہ کے نام سے سانسوں کی وابستگی اس قدر مستحکم ہو جاتی ہے کہ کوئی مشغلہ، کوئی فکر، کوئی کام اس میں حائل نہیں ہونے پاتا۔ یہی پاسِ انفاس کی بلند ترین منزل ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر سالک کے قدم اس درجہ مستحکم ہو جاتے ہیں کہ مومن والی کیفیت بھی کہ

ے تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کہیں پیچھے چھوٹ جاتی ہے اس لئے حال حال ہی رہتا ہے۔ ماضی اور مستقبل کی دست رس سے آزاد، کوئی چیز، کوئی فکر، سالک کو محبوب حقیقی کی یاد سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ہر سانس اس کے ذکر کی پاسبانی کرتا ہے۔ پھر مومن کا دل اس کی مانند ہو جاتا ہے۔ جس کو آیتِ کریمہ میں نوراً علیٰ نور کہکر پکارا گیا ہے۔

پاسِ انفاس کی مشقوں میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ ورنہ طبیعت پریشان ہونے اور اختلاجی کیفیت پیدا ہونے کا امکان ہے۔ شروع میں اس کی مشق تنہائی میں باوضو اور قبلہ رو ہو کر بعد نماز عشاء و فجر کے کرنی چاہیئے۔ بعد نمازِ تہجد مستحسن ہے۔ اُس وقت ذکر میں دل لگتا ہے۔ شروعات ایک تسبیح سے ہو پھر تدریجاً اس میں اضافہ کیا جائے۔ مشق کی ابتدا اور آخر میں گیارہ گیارہ دفعہ درود شریف پڑھنا بہتر ہے۔ گھبراہٹ محسوس ہونے کی صورت میں ذکر کو روک دینا چاہیئے۔

## نفی اثبات

یہ مرکب ہے بھلا دینے اور اقرار کرنے کا۔ اس سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے مخصوص انداز میں ذکر



Marfat.com

کی ہے۔ یہ ذکر فجر، مغرب یا عشاء کی نمازوں کے بعد کیا جاتا ہے اور تنہائی میں۔ ذاکر بعد نماز اور دعا قبلہ رو اور دو زانو ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ بالکل اس انداز سے گویا وہ التحیات پڑھ رہا ہو۔ پھر وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ تمام خیالات سے پاک ہو جائے تاکہ یکسوئی نصیب ہو سکے۔ اس کے بعد وہ حضور پاکؐ کی روح پر چند بار درود بھیجتا ہے۔ پھر ذکر شروع کرتا ہے۔ اپنی گردن جھکا کر۔ ناف کے ایک انگشت نیچے سے لفظ لا کی ابتداء ہوتی ہے۔ اور اس لفظ کو کھینچتے ہوئے گردن اوپر کی جانب اٹھائی جاتی ہے۔ جب سر کچھ بلند ہو جاتا ہے تو گردن کو داہنی طرف موڑا جاتا ہے اور اسے کندھے کی جانب خاصہ جھکا کر الٰہ کہا جاتا ہے۔ اس حالات میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ دماغ تمام خیالات سے خالی رہے۔ "حتیٰ کہ خدا کا خیال بھی نہ رہے۔" ایک دو سیکنڈ اسی حالت میں رہا جاتا ہے۔ اس کے بعد گردن اور سر کو بائیں طرف قلب کی جانب جھٹکے سے جھکا کر دل پر اِلَّا اللہ کی ضرب لگائی جاتی ہے۔ اس ضرب کے لگاتے وقت سوائے اللہ کے خیال کے اور کسی کے تصور کو ذہن میں نہیں رہنے دیا جاتا۔ گویا ذکر کیا ہے ایک مہر ہے جو دل پر بالکل اسی طرح ثبت کی جاتی ہے۔ جیسے کوئی ڈاکیہ خطوں پر پوری طاقت سے مہریں چسپاں کرتا ہے اور اس کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ مہر کا پورا نقش خط پر اُتر جائے۔ یہ ذکر ایک سے دس تسبیح تک کیا جاتا ہے۔ ذکر کو تدریجاً بڑھانا چاہیئے۔ سانس پھول جانے یا کسی قسم کی گھبراہٹ محسوس ہو تو محمدؐ الرسول اللہ کا کلمہ پورا کر کے حضور اکرمؐ پر کئی بار درود بھیجنا چاہیئے۔ اگر گنتی کی خاطر تسبیح یا انگلیاں استعمال کی جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ان کی بدولت دھیان بٹتا ہو یا کسی قسم کی الجھن محسوس ہوتی ہو تو بغیر گنتی کے ذکر کر لینا چاہیئے۔ ذکر کے اختتام پر کئی بار درود شریف پڑھنا چاہیئے۔

مروجہ طریقہ کے مطابق اس مشق کے بعد ذاکر اپنے سلسلہ کا شجرہ پڑھتا

ہے۔ اور پھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے اور آنکھیں بند کئے وہ اپنے شیخ سے توجہ لیتا ہے
توجہ کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ذہن میں اپنے شیخ کا خیال کرتا ہے۔ اور اس طرح گویا ایک سفید رنگ کے نور کی شعاع شیخ کے سینے سے نکل کر اس کے قلب میں داخل ہو رہی ہے۔ وہ چار پانچ منٹ اسی طرح بیٹھا رہتا ہے۔ اور بجز شیخ کے اُس کے دھیان میں کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔

اس کیفیت سے گذر کر وہ چند بار درُود شریف پڑھتا ہے۔ پھر سُورت الحمد ایک بار، سورۂ الکٰفِرُوْنَ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار، سورۂ الفلق ایک بار اور سورۂ الناس ایک بار۔ اس ذکر کا خاتمہ تین، سات یا گیارہ بار درُود شریف پڑھ کر ہوتا ہے۔ بعدہٗ ذکر اور تلاوت کا ثواب پہلے حضور پاکؐ کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور پھر ان کے توسط سے اصحاب کبار یازدہ ائمہ تبار، ازواجِ مطہرات، تمام اہل اطہار کی ارواح اور اپنے سلسلے کے تمام بزرگوں کو پہنچا کر حلقہ کے بھائیوں اور کل ملتِ اسلامیہ کے لئے دعا مانگی جاتی ہے۔ اس طرح سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

یہ ذکر تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ ان طریقوں میں فرق صرف آواز کی نوعیت کا ہے۔

۱۔ **ذکرِ جہر**:۔ بلند آواز سے ذکر۔ اتنی بلند آواز سے کہ اسے دُور سے سُنا جا سکے۔

۲۔ **ذکرِ جلی**:۔ اس انداز سے ذکر کہ ذاکر یا جو اِس کے قریب بیٹھا ہو وہی اُسے سُن سکے۔

۳۔ **ذکرِ خفی**:۔ یہ ذکر سانس سے کیا جاتا ہے اور اس میں آواز نہیں ہوتی
مختلف حلقوں میں مختلف طریقے رائج ہیں۔ سلسلہ توحیدیہ میں ذکرِ جہر پر زور دیا جاتا ہے۔ زور سے ذکر کرنے میں توجہ کا ارتکازِ مقصود ہوتا ہے۔ یہ ذکر تنہائی میں کیا جاتا ہے۔ اس لئے ایسا کرنا ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے اور کسی کو



Marfat.com

تکلیف بھی نہیں پہنچتی ۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ پڑوسی کے سکون میں فرق آئے گا یا کمرہ میں اور روگ بھی موجود ہوں تو ذکرِ جہر سے اجتناب بہتر ہے ۔ پھر ذاکر کو چاہیئے کہ ذکرِ جلی پر اکتفا کرے ۔ سفر کے دوران یا مہمانوں کے ساتھ ذکرِ خفی مناسب ہے ۔ طریقہ کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ذکر سے مقصود اپنے پارسائی کا نقارہ نہیں پیٹنا ہوتا بلکہ اس کے ذریعے قلب و دماغ کی تطہیر مطلوب ہوتی ہے ۔

ذکر کے سلسلے میں ایک بات کا لحاظ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ ابتداء میں دو تین سال تک صرف ایک مخصوص جگہ پر بیٹھ کر ذکر کیا جائے اور ہو سکے تو بند کمرے میں ۔ ایسا کرنے سے مانوس ماحول ذکر کے لئے سازگار ثابت ہوتا ہے اور توجہ ہٹنے نہیں پاتی ۔

ذکر میں لاَ اِلٰہ کی نفی اور اِلَّا اللّٰہ کی اثبات بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔ نفی سے روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے لٰہذا جتنی زیادہ نفی ہوگی اتنی ہی روحانیت بڑھے گی اور بالکل اسی طرح جتنی اِلَّا اللّٰہ کی اثبات مضبوط ہوگی اللّٰہ تعالیٰ کا قرب حضوری اور معرفت میں اضافہ ہوگا ۔ نفی بڑھانے کے لئے یہ بھی طریقہ ہے کہ سوتے وقت دماغ سے تمام دنیاوی خیالات نکال دیئے جائیں اور سکون کے ساتھ لیٹا جائے ۔ یہ بات مشق ، کوشش اور توجہ سے حاصل ہوتی ہے ۔

## جذب اور قلب کا جاری ہونا

ذکر کی بہت سی برکتیں ہیں جن کا تفصیلی ذکر آثارِ روحانی کے باب میں کیا جائے گا ۔ یہاں صرف قلب کے جاری ہونے اور جذب کی بات کرتے ہیں ۔ جب ذکر سے دل میں اللّٰہ کا نور سما جاتا ہے اور قرب بڑھتی ہے تو دھڑکنیں بلند ہونے لگتی ہیں ۔ ایک عجیب قسم کی گرمی ، بے قراری اور سوز وجود میں آتا ہے شاہ عبدالطیف بھٹائی ؒ اس کیفیت کو یوں بیان فرماتے ہیں ۔



Marfat.com

(۱) کباب سیخ ایک مدت سے ہوں میں
رگ و پے میں ہے اب تک سنسنی سی
مرے محبوب تو نے پھونک دی ہے
کلیجے میں مرے ایک دھونکنی سی!
کان میں بھر ہے دھونکنی کی صدا
بر سرِ کار ہے وہ آہن گر
اٹھ رہے ہیں مجاز کے شعلے
ڈالتا جا رہا ہے وہ آخگر

یہ بیقراری یک گونہ نشہ آور اور پر لطف بھی ہوتی ہے۔ اس میں ایک ایسا سرور ہوتا ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیفیت اپنی شدید صورت میں چند لمحوں یا چند گھنٹوں تک جاری رہتی ہے۔ اس کو اللہ کا بڑا کرم سمجھنا چاہیئے۔ یہ خود اختیاری نہیں گو اس کے لئے ذکر میں یکسوئی اور محویت شرط ہے۔ بہر حال محض دل کے دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ عوام الناس سمجھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک واقعہ کا ذکر کر کے اس نکتہ کی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں۔" ایک شخص شاہ ولی اللہؒ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا دل دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہیں کہتے قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خداوند تعالیٰ کی یاد میں حاضر رہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں تھرکتی ہیں۔ یہ بہت کامل ہیں اور جن لوگوں

---

(۱) یہ اشعار شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے ہیں جو ہالہ ضلع حیدرآباد میں ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵۲ء میں وفات پائی۔ ایک عظیم صوفی شاعر تھے۔ قادریہ سلسلہ سے ان کا تعلق تھا۔ ان کا معرفتی کلام ان کی تصانیف، سر کلیان سریمن اور سر کھمبات میں خصوصاً موجود ہے۔



Marfat.com

میں یہ باتیں نہیں ہوتی ان کی نسبت کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں۔ ان میں کمالاتِ باطنی نہیں حالانکہ کمالاتِ باطنی بالکل مخفی ہیں ان کا بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔"

یہاں خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی یہ تحریر بعید از دلچسپی نہیں جو اُن کے ایک خط کا اقتباس ہے۔ "یہ تو بہت بڑی اور بہت ہی مبارک بات ہے۔ اسی کو تو قلب کا جاری ہونا کہتے ہیں۔ اس دھڑکن میں جو کیف ہوتا ہے وہ کب ہر کسی کو میسّر آتا ہے۔ یہ بعض دفعہ سکون کے ساتھ ہوتا ہے بعض دفعہ بے چینی کے ساتھ جیسا کہ آپ کو تھا۔ بے چینی کا ہونا افضل ہے ..... عام طور پر سالکوں کو یہ بات گھنٹے دو گھنٹے کے لئے میسّر آتی ہے۔ آپ کو ۴۵ گھنٹے رہی سبحان اللہ۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ ہمیشہ قائم رہے۔ ممکن ہے پھر عمر بھر نہ ہو یا ممکن ہے۔ کہ کبھی کبھی پھر ہو جایا کرے (دوسری بات ٹھیک نکلی) اس سے بھی زیادہ ضروری چیز میں گرمی کا پیدا ہونا ہے جس میں سوز، کیف اور نشہ ہوتا ہے۔ اگر یہ چیز آپ کو میسر ہو تو اس کے بعد صرف عبادات میں زیادتی اور زیادہ پابندی کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ عبادت میں بھی تہجد کے نوافل خصوصاً۔ کیوں کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ میں اپنے بندوں کو نوافل میں ملتا ہوں پھر (رفتہ رفتہ) میں اُن کے ہاتھ کان، آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتے، دیکھتے اور سنتے ہیں۔ وغیرہ۔

دل کا جاری ہونا اور جذب کا وجود میں آنا دو ایسی کیفیتیں ہیں جن کے درمیان بڑا قریبی رشتہ ہے۔ دراصل دل میں گرمی اور سوز کے پیدا ہو جانے کے ردِ عمل کو جذب کہتے ہیں۔ اس کا وجود ان دونوں پر ہی بالکلیہ مبنی ہے۔ جذب زیادہ بڑھ جائے تو ذاکر پر نشہ اور بے خودی کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے زیرِ اثر سالک کو اپنا ہوش نہیں رہتا۔ جذب کے زیادہ بڑھ جانے میں عقل سدب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

چند سال گذرے، میں طرابلس میں مقیم تھا۔ ایک روز ایک دوست کے

بارے میں کسی سے دریافت کیا۔ کہ وہ ان دنوں کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ کسی نے بتایا کہ وہ مجذوب ہو گئے ہیں۔ انہیں ان دنوں اپنی خبر تک نہیں۔ ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے ہیں کسی سے نہیں ملتے۔ میں نے کہا مجھے اُن کے پاس لے چلو۔ دیکھا تو واقعی حالت غیر تھی۔ آنکھیں سُرخ، دل کی تپش سے پھنک رہے تھے۔ چہرہ بشرہ سے سراسیمگی کے آثار نمایاں۔ کھانا چھُوٹا ہوا۔ اضطراب، بے چینی اور ہیجان حد سے بڑھا ہوا۔ گلے لگایا، پانی پلایا، باتیں کیں۔ اللہ نے کرم کیا طبیعت سکون کی طرف مائل ہوئی۔ جذب کی حدّت سے اس طرح کسی کا جسم پھنکتے کبھی نہیں دیکھا اگر ذاکر کے ساتھ ایسی صورت پیش آئے۔ تو اسے ذکر بند کر دینا چاہیئے۔ اور شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ وہی اس کی صحیح رہبری کر سکتا ہے۔ درود شریف کا کثرت سے ورد بھی اس کا زور توڑ دیتا ہے۔

بہرحال راہِ سلوک میں بغیر جذب کے گذارا بھی نہیں ہے۔ اسی کے ذریعے آگے بڑھنا ممکن ہوتا ہے اور بعض اوقات تو اس کی بدولت بڑی کٹھن منازل کو چھلانگیں لگا کر طے کر لیا جاتا ہے۔ اس جذب کے طفیل ایک سالک دوسروں کو بھی توجہ دینے لگتا ہے۔

اس ہی جذب کی کیفیت کی برکت سے نور، روشنیاں اور روحانی شکلیں بھی نظر آنے لگتی ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بزرگوں کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ کبھی سوتے میں، کبھی نیم خوابی کے عالم میں اور کبھی عین بیداری کی حالت میں انہیں متبرک اور خوش نصیبی کی علامات سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ان کیفیات پر فخر کرنا یا ان کا ذکر کر کے اپنے منہ میاں مٹھو بننا ٹھیک نہیں۔ ایسا کرنے میں سب کچھ کھو دینے کا ڈر ہوتا ہے۔

## استغراق

جذب سے منسلک استغراق ہے۔ جب حُبِ الٰہی سالک کی رگ رگ میں بس جاتا ہے تو ایک محویت کا عالم وجود میں آتا ہے۔ اُسے استغراق کہتے ہیں۔ یہ وہ کیفیت



Marfat.com

ہوتی ہے جب بندہ سب کچھ بھول کر اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔

"اسی سلسلہ میں حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت سرورِ کائناتؐ عالمِ استغراق میں تھے۔ آپ نے حضرت عائشہ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم کون ہو؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ عائشہؓ۔ آپ نے فرمایا "عائشہ کون"؟ جواب دیا "ابوبکر کی بیٹی"۔ "ارشاد فرمایا" کون ابوبکرؓ"؟ حضرت عائشہؓ نے کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست"۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا، محمدﷺ کون؟

یہ کلمات حضور پاکؐ کی زبان مبارک سے عین استغراق کے عالم میں نکلے تھے لہٰذا حضرت عائشہ خاموش ہوگئیں اور سمجھ گئیں کہ آپ پر کوئی خاص کیفیت طاری ہوئی ہے۔

یادِ الٰہی کا یہ استغراق آپ کی صحبت کے فیض سے خلفائے راشدین کو عطا ہوا۔ ایک غزوہ کے دوران ایک تیر کا پیکان حضرت علیؓ کے پیر میں پیوست ہوگیا اور باوجود کوشش کے نہ نکل سکا۔ تکلیف شدید تھی۔ جب آپ نماز میں مشغول ہوئے تو اس تیر کو کھینچ لیا گیا۔ اور استغراق کی بدولت آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء پر یہ استغراق کا غلبہ دنوں جاری رہتا تھا۔ البتہ نماز کے اوقات میں وہ عالم محو میں آجاتے تھے۔

## توجہ

ذکر کے سلسلہ میں ہم نے توجہ و تصوف کی بات کی ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلے توجہ کی وضاحت کر دی جائے۔ "توجہ ایک قوت یا برقی کرنٹ ہے جو ایک دل سے نکل کر محض خیال اور ارادے سے دوسرے کے دل میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ نفس و خیال کی قوت ہوتی ہے جو خیال و توجہ میں یکسوئی کی مشق کر کے کوئی شخص بھی حاصل کر سکتا ہے۔ خواہ وہ مقبول ہو یا مردود — مسمریزم اور ہپناٹزم کا مدار بھی یہی قوت ہے۔ جب ہم تصوف کی بات کرتے

ہیں۔ نومرشد کی اس توجہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو مقبول سمجھی گئی ہے اور زہد و تقویٰ سے منسلک ہے۔ عموماً یہ قوت مجاہدات و ریاضیاتِ نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بعض میں یہ فطرتاً بھی موجود ہوتی ہے۔

مرشد کے درجہ، تقویٰ اور بزرگی پر اس توجہ کی طاقت اور ماہیت کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہ توجہ کیسے دی جاتی ہے اور اسے توجہ لینے والا کیسے لیتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے ٹیلی ویژن کی مثال بہت مناسب ہوگی۔ جب دینے اور لینے والے اسٹیشنوں کی فری کیونسی ( FREQUENCY ) اور چینل (CHANNEL) ایک ہوجاتے ہیں تو آپ جو کچھ پروگرام جہاں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ بآسانی چشم زدن میں دیکھ لیتے ہیں۔ کیونکہ بذریعہ کرنٹ ان دونوں اسٹیشنوں کا رابطہ قائم ہوجاتا ہے لیکن اگر کرنٹ غائب ہوجائے تو یہ رشتہ ایک دم منقطع ہوجاتا ہے۔ پھر یا قبولیت کے اعلیٰ، واضح اور صاف ہونے کا دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے۔ کہ وصول کنندہ یونٹ کتنا طاقتور ہے۔ اور اس میں پروگرام جذب کرنے کی کتنی اہلیت ہے۔ اس کے ساتھ ہی کس حد تک پروگرام نشر ہونے والے اسٹیشن کی کارکردگی اور اس کی اثر اندازی کو بھی اس میں دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر سالک کی ذاتی تیاری اعلیٰ قسم کی ہے۔ اس کا ذکر اس کا تزکیۂ نفس، اس کا اخلاق اور اس کی عباداتِ منزہ ہیں۔ اور اس نے اپنے ذہن اور کردار کی آلودگیوں اور کبیرہ گناہوں سے پاک رکھا ہے تو اس کی ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ پھر وہ مرشد سے زیادہ توجہ قبول کرتا ہے اور اس توجہ کی بدولت اس میں رفتہ رفتہ اس بات کی بھی اہلیت ہوجاتی ہے۔ کہ وہ دوسروں کو بھی توجہ دے سکے۔ توجہ خط کے ذریعے بھی دی جاسکتی ہے۔ "دل سے کرنٹ نکل کر کاتب کی طرف چلی جاتی ہے۔" (۱)

---

(۱) مکتوب خواجہ عبدالحکیم انصاری مورخہ ۱۵ جون ۱۹۵۷ء

مرشد کی توجہ کا اثر سالک آہستہ آہستہ قبول کرتا ہے۔ پہلے اس کی بدولت اسے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ پھر سرور و شادمانی کی کیفیت وجود میں آتی ہے اور دل میں گرمی رونما ہونے لگتی ہے۔ یہ گرمی ابتدا میں کبھی آتی ہے اور کبھی جاتی ہے۔ لیکن وقت گذرنے اور عبادات اور تزکیۂ نفس کے ساتھ یہ مستقل قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور بقول انصاری صاحب رح "دل قائم اندر" ہو جاتا ہے۔ جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ ہر وقت ایک سرور، ایک نشہ محسوس کرتا ہے۔ اور اس نعمت کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ گویا

اک گو نہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے۔

جب یہ دولت مجھے پہلی بار نصیب ہوئی تو میری عجیب و غریب حالت تھی ایک طرف بے چینی تکلیف دہ تھی تو دوسری طرف اس کا جھرنوں جیسا نغمانے سے پر کیف، فضا میں بکھرتا ہوا سوز دروں، دامن کشاں اور دل لبھانے والا۔ اس کیفیت کو صحیح طور پر بیاں کرنا بہت مشکل ہے۔ رفتہ رفتہ یہ نشہ بڑھ کر بے خودی اور سرمستی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جب کوئی سالک اس درجہ پر پہنچ جائے تو وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اپنے سے کم طاقت والے کو توجہ دے سکے۔

توجہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مرشد کامل کی نگاہوں کے سامنے سالک کی شخصیت کا پورا مرقع آجاتا ہے۔ لہٰذا اس میں جو خامیاں یا عیوب ہوتے ہیں وہ اسے معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی توجہ کے ذریعے سالک میں ان کے لئے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کی اصلاح وجود میں آتی ہے۔ توجہ کے لئے فاصلے کی قید نہیں۔ ہزاروں میل کی دُوری بھی بے معنی ثابت ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سالک نے اپنی خامی کی کوئی بات دانستہ یا نادانستہ طور پر چھپائی اور مرشد نے اشارتاً اس پر اُس کی تنبیہ کر دی۔ مرشد ایسا بھی کرتا

کہ کسی علاقہ میں اس کے مریدوں میں سے جس میں توجہ دینے کی لیاقت زیادہ پیدا ہو گئی ہو کسی ایک کو اس بات کے لئے منتخب کر لیتا ہے کہ وہ اس سے کم درجہ کی روحانیت رکھنے والوں کو توجہ دینے اور اُن کی اصلاح کا کام سنبھال لے۔

اگر اللہ چاہے تو مرشد کو اس کے مریدوں سے متعلق مستقبل میں ہونے والی باتوں کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ مثلاً آڑے وقت میں تمہارے کام فلاں شخص آئے گا اس سے رابطہ قائم رکھنا۔ یا فلاں کام تمہارا ہو جائے گا انشاءاللہ اس سلسلہ میں انصاری صاحبؒ کا ایک واقعہ نقل کرنا بعید از دلچسپی نہ ہوگا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک بڑی معتوب سیاسی شخصیت ان کی طرف متوجہ ہوئی اور صدقِ دل سے بداعمالی سے تائب ہو کر ان کے حلقہ کو قبول کیا۔ جب اس کا گڑگڑانا اور آہ وزاری بہت بڑھی تو انصاریؒ نے پوچھا بھئی کس عدالت میں تمہارا مقدمہ زیرِ سماعت ہے۔ جب انہیں اس کی تفصیل بتائی گئی تو اُنہوں نے توجہ دی اور پھر ہوا میں ایک غیر مرئی فائل کو اٹھا کر پھاڑا اور کہا جاؤ تمہارا مقدمہ ختم ہو گیا لیکن دیکھو آئندہ اس قسم کی حرکتوں سے اجتناب کرنا۔ جب کچھ دنوں بعد وہ صاحب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے تو اُنہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ وہ بری ہو گئے ہیں۔

توجہ کیفیت کے اعتبار سے تین قسم کی ہوتی ہے۔ لطیف، کثیف اور غلیظ۔ لطیف توجہ اُس شخص سے منسلک ہوتی ہے جس کی روحانی قوت بلند ہو، جس کا اخلاق منزہ ہو اور جو گفتار، طبیعت اور کردار کے اعتبار سے اعلیٰ ہو۔ یہ توجہ ایک گھنے درخت کے سایہ کی طرح ٹھنڈک، لطافت اور سکون لئے ہوئے ہوتی ہے۔ اس میں سالک کے لئے سرور ہوتا ہے جو توجہ دینے والے کی طبیعت کی سختی اور ترشی کے سبب بھاری پن لئے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ سر درد کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ غلیظ توجہ اس سے بھی زیادہ مکدر ہوتی ہے۔ وہ بعض اوقات متلی کی سی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ توجہ لینے والے کو جلن سی ہوتی ہے۔



Marfat.com

دل کو دھکا سا لگتا ہے اور اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ یہ ردِّ عمل توجہ دینے والے کی اخلاقی خامیوں کے باعث ہوتا ہے۔ مثلاً اس کی فطرت میں غصہ، حسد اور نفرت کا ہونا۔

جب روحانیت بڑھ جائے اور توجہ دینے کی لیاقت میں اضافہ ہو تو ایک وقت آتا ہے جب کہ سالک اپنی مقناطیسی قوت کی وجہ سے اپنے گرد گردش کرنے والوں کا ایک حلقہ قائم کر لیتا ہے اور رفتہ رفتہ مرشد کے رُوپ میں نمودار ہوتا ہے۔ جب یہ وقت آتا ہے تو مُرشد خود ایسے سالک کو اس کے پرکھنے کے بعد توجہ دینے کا اختیار دے دیتا ہے۔ پھر وہ ایک ستارہ کی مانند ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اب بھی مرشد کے حلقۂ اثر میں سیارہ ہی رہتا ہے اور اُسے خود کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے تا وقتیکہ اذن اس کے برخلاف ہو اور ایسا اکثر ہوا ہے اور اب بھی ہوتا ہے۔



Marfat.com

# عبادات سے ہماری کیا مُراد ہے؟

Marfat.com

# عبادات

## فرضِ نماز

نماز کی پابندی سالک کی شخصیت کو نکھار دیتی ہے۔ اس میں ملکوتی صفات پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا نماز کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو مسجد میں نماز پڑھی جائے اور اگر ایسا نہیں تو اس فرض کو گھر میں پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے تو اسے بطورِ قضا نماز کے بعد پڑھ لیا جائے اس کا ناغہ کرنا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے سالک کے سُرور اور جذب میں کمی ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہ اخذ کرنا چاہیئے کہ یہ اشارہ نعوذ باللہ اس کے نہ پڑھنے کی طرف ہے۔ جیسا کہ ہم نے نیم پختہ فقیروں اور گداگروں سے سُنا ہے۔ یہ انتہائی گمراہ کُن اور گناہ کی بات ہے۔ سرور کی کمی تو صرف ابتدا میں محسوس ہوتی ہے۔ لیکن آگے چل کر ان نمازوں میں خود بخود سُرور پیدا ہو جاتا ہے۔ جب احسان کا کیف میسّر آجائے تو پھر سجدہ سے سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔ نماز کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کیا مُرشد، کیا سالک سب پر یہ واجب ہے۔ جب حضور پاکؐ نے افضل البشر ہونیکے باوجود خود کو اس سے بری نہ سمجھا تو ہماری کیا مجال کہ ہم خود کو اس سے مُستثنیٰ سمجھیں۔ حتیٰ کہ مرض الموت میں وہ باوجود انتہائی کمزوری اور کرب کے نمازوں کی پابندی برتتے رہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ اپنی روحانیت کی بدولت ہمہ وقت اللہ کی حضوری میں ہوتے ہیں پھر اُن کو نماز کی کیا ضرورت۔ یا یہ کہ ان پر جذب طاری رہتا ہے اور نشہ کی حالت میں نماز جائز نہیں پس وہ قابلِ معذوری



Marfat.com

ہیں ۔ محض بہانہ تراشی کرتے ہیں ۔ یہ سراسر تو دفریبی ہے اس کے علاوہ جذب کی سکری کیفیت کوئی قابل فخر چیز نہیں ۔

## نوافل

فرض نماز کے علاوہ نوافل پڑھنا روحانیت بڑھاتا ہے ۔ دراصل بغیر اس عمل کے مدارج میں اضافہ ہی نہیں ہوتا ۔ یوں تو ہر وقت کی نماز میں نفل شامل ہیں لیکن اثراندازی کے اعتبار سے تہجّد کی نفلی نماز سب سے اہم ہے ۔ اس کو مدارج کی بلندی کا ذریعہ بنایا گیا ہے اور اللہ نے اپنے پیارے رسول ؐ کے لئے اسے پسند فرمایا ہے ۔

ملاحظہ ہو آیات کریمہ !

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

(بعض حصۂ شب میں بیدار ہوا کرو اور تہجّد کی نماز پڑھا کرو ۔ یہ شب خیزی تمہارے لئے (سبب) زیارت (ثواب) ہے)

اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ یہ ایسے وقت پڑھی جاتی ہے ۔ جب سکون ہوتا ہے ۔ تنہائی ہوتی ہے اور نزولِ رحمت بھی ۔ اس نماز کی ادائیگی میں قرأت رکوع اور سجدے لمبے ہوتے ہیں ۔ اور دھیرج کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیئے ۔ نماز کے بعد سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنا اور حضور پاک ؐ پر درود بھیجنا باعث برکت ہے اگر اس ذکر کے ساتھ غور و فکر بھی ہو جائے تو کیا کہنے ہیں ۔ نفل نمازوں میں تین نمازیں اور بھی ہیں ۔ بعد نمازِ مغرب اوّابین ، بعد طلوع آفتاب ، نمازِ اشراق اور کوئی ساڑھے دس بجے نماز چاشت ، یہ نفلی نمازیں قربِ الٰہی کا ذریعہ بنتی ہیں اور ان کی بدولت اللہ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ جس کے پاس جتنا وقت اور جس کو جتنی توفیق ہو اُسے اُن عبادات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے ۔ انہیں فرض کا درجہ نہیں ہے ۔ البتہ ہر وہ عبادت باعث قربت ہے جو صرف محبت کی خاطر کی جائے ۔ اللہ دلوں کا حال جانتا ہے ۔ وہ ہماری نیتوں سے باخبر ہے وہ نہ صرف ہماری محبت کی قدر کرتا ہے ۔ بلکہ اس پر فخر کرتا ہے ۔ ویسے اُسے



Marfat.com

ہماری عبادات کی حاجت نہیں۔ اللہ الصّمد ہے۔ یہ تو صرف ہماری بہتری کی تدابیر ہیں جو اُس نے اپنے کرم سے ہمیں بنادی ہیں۔

## تلاوت

قرآن پاک کا پابندی سے تلاوت کرنا ایک نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ تلاوت بلند آواز سے اور ہو سکے تو خوش الحانی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہیئے۔ حکمِ ربانی ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً

ترجمہ:۔ یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

اس طرح پڑھنے سے الفاظ ٹھیک طور پر ادا ہوتے ہیں۔ عبادت کے صوتی اثرات روح پر اثر انداز ہوتے ہیں اور آیات کے مطالب رفتہ رفتہ سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ جو لوگ عربی سے ناواقف ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ پہلے ایک رکوع کی باآواز بلند تلاوت کریں اور اس کے بعد آیات کا ترجمہ پڑھیں۔ اگر ہو سکے تو کوئی آسان زبان میں لکھی ہوئی تفسیر کو بھی زیرِ مطالعہ رکھیں تاکہ ہر آیت کی اہمیت اور شانِ نزول واضح ہو جائے۔ قرآن پاک ہمارا دستورِ حیات پیش کرتا ہے۔ دنیا و آخرت کے لئے اس میں ہماری رہبری ہے اس میں غور و فکر کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہر آیت کے ساتھ ایک جہانِ حکمت وابستہ ہے۔ لہٰذا اس کی جتنی بھی سمجھ پیدا ہو بہتر ہے۔ تلاوت کے لئے سب سے موزوں وقت فجر کی نماز کے بعد کا ہے اس وقت ذہن حاضر ہوتا ہے۔ ماحول پُرسکون نظر آتا ہے۔ اور مشاغل دنیا کا بوجھ دماغ پر نہیں ہوتا۔ اگر صبح کو وقت نہ نکالا جا سکے تو ظہر یا عصر کی نماز کے بعد تلاوت کرنی چاہیئے۔

جب قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہو تو سالک کو چاہیئے کہ وہ باطنی مراقبہ اختیار کرلے۔ اس کا باطن حدیثِ نفس یعنی نفسانی گفتگو کی بجائے اس تصوّر میں مصروف رہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی طرف دیکھ رہا ہے اس طرح کی پابندی کرنے سے اس کا تعلق اربابِ مشاہدہ سے ہو جائے گا۔ حضرت مالکؒ فرماتے ہیں۔ ”جب



Marfat.com

صدیقین کے قلوب قرآنِ کریم سنتے ہیں تو اِن میں آخرت کے لئے خوشی کی امنگ اُٹھتی ہے ۔"

عبادات کے بارے میں ایک بات جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ انسان اس معاملہ میں تواتر سے کام لے یعنی جتنی عبادات وہ روزانہ کر سکتا ہے اُسے لگاتار کرتا رہے ۔ یہ نہیں کہ ایک روز تو سُبحان اللہ کی پانچ تسبیحیں پڑھ لیں اور پھر ایک ہفتہ غوطہ لگا لیا ۔ اس سے نہ روحانیت بڑھتی ہے اور نہ اصلاحِ نفس وجود میں آتی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " وہ عمل اختیار کرو جس کو (جاری رکھنے کی ) طاقت ہو کیونکہ خدا کی قسم خدا تعالیٰ نہیں تھکے گا اور آخر میں تم تھک جاؤ گے ۔ خدا کے نزدیک سب سے پیاری عبادت وہ ہے جس کو آدمی ہمیشہ جاری رکھے ۔ (حضرت عائشہؓ ) ۔

مجھے یہاں ایک صاحب کی باتیں یاد آگئیں وہ ایک شام کسی کی معرفت میرے پاس تشریف لائے ۔ بڑے پریشان نظر آتے تھے ۔ کہنے لگے میں اقرار کرتا ہوں کہ میں پہلے بڑا گنہگار تھا مگر پھر تائب ہو گیا اور اب تک اپنی توبہ پر قائم ہوں لیکن اس کے باوجود سکونِ قلبی نصیب نہیں ۔ کئی بزرگوں کے پاس گیا ۔ ان کی محفلوں میں بیٹھا ، بتائے ہوئے وظائف پڑھے مگر پھر بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا ۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں ۔ میں نے کہا ! اگر سکون ڈھونڈتے ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر نظر ڈالو ۔ تمہیں اس نے دولت عطا کی ہے ۔ پیار کرنے والے بیوی بچے دیئے ہیں ۔ خیر سے تمہارے پاس موٹر ، بنگلہ اور ملازمتوں کا ایک لشکر خدمت کے لئے موجود ہے ۔ کیا یہ باتیں اطمینان بخش نہیں ۔ اللہ کا قرب ، نماز اور عبادت میں ڈھونڈو ۔ جتنا بھی ہو سکے اس کا شکر ادا کرو ۔ اپنے سے نیچے والوں پر نظر ڈالو ۔ اُن کی خستہ حالی سے سبق لو ۔ جلد یہ اضطرابی کیفیت جاتی رہے گی ۔ اس کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس بھی ہونا چاہیئے ۔ ذاتی کوشش کے بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا ۔ محض پیروں کی مریدی اور وظائف پڑھ کر بات نہیں بنتی ۔ یہ ذرائع تو صرف



Marfat.com

راہ ہموار کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ منزل کی طرف بڑھنے کے لئے لاہرو کو خود ہاتھ پیر مارنے ہوتے ہیں۔ بولے۔ پھر بھی مجھے وظیفے بتایئے کہ روحانیت تیزی سے بڑھنے لگے۔ میں نے کہا ابتدا پاس انفاس اور نفی واثبات سے کرو۔ لیکن ان کے ورد کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ بات آئی گئی ہوگئی۔ ایک ہفتہ بعد پھر تشریف لائے۔ حال پوچھا تو کہنے لگے۔ عبادت میں دل تو لگا ہے لیکن کوئی انقلاب نہیں آیا۔ میرے کام ابھی تک نہیں سنبھلے حالانکہ میں نے ایک ساتھ بہت سی تسبیحیں، آپ کے بتائے ہوئے وظائف کی پڑھ ڈالیں۔ مجھے اُن کے اس اندازِ فکر پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا تراشا ہوا راستہ نہیں جسے ہم شارٹ کٹ (SHORT CUT) سمجھ کر اختیار کرسکیں۔ سالک کو بہر صورت اپنا سفر طے کرنے کے لئے جدوجہد کرنی ہی پڑتی ہے۔ پھر ہماری عبادات کا مقصد دنیاوی منفعت بھی تو نہیں۔ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہمیں اس کے کرم کی حاجت ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کو راضی کرنے کے لئے خود کو اس کی مرضی کے مطابق چلانا ہوتا ہے۔ ہمیں اس کے لئے مناسب تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اوامر اور نواہی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن کسی صورت میں نعوذ باللہ اسے عبادات کی رشوت دینے کی حاجت نہیں ہوتی۔ یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ وہ خالق، جس سے ہماری کوئی چیز چھپی نہیں۔ اگر ہم اُس سے کوئی چال چلیں تو کیا یہ ایک بہت معیوب اور رکیک حرکت نہ ہوگی؟ کوئی غلام اپنے آقا کے ساتھ اس قسم کی حرکت نہیں کرتا۔ اسے کیسے اس بات کی جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ اللہ کے حضور اپنی ظاہری عبادات کا بنڈل پیش کر کے اُس کی عنایات کا مطالبہ کرے؟ یہ بعید از قیاس ہے۔ لیکن ہمارے کرم فرما کی کاروباری سوچ میں اس حقیقت کا سمانا بہت مشکل تھا۔

اس سلسلہ میں سالک کے لئے ایک اور بات بھی جان لینا ضروری ہے جب راہِ معرفت میں قدم رکھا جاتا ہے۔ تو صرف اس ارادہ سے کہ اللہ کی قربت



Marfat.com

نصیب ہو جائے لہٰذا جب تک سالک اللہ کو نہ پالے اُسے خود کو غریب الوطن ہی سمجھنا چاہیئے۔ راہ میں مشکلات بھی آئیں گی۔ پریشانیاں بھی لاحق ہوں گی۔ اور اس کے ساتھ ہی بارشِ کرم، نوازشات، تجلیات، رحمتیں اور عنایتیں بھی لیکن نہ یہ صعوبتیں اور نہ یہ راحتیں اس کی راہ میں حائل ہونی چاہئیں۔ مرشد کی صحبت میں بھی اللہ کی جستجو قائم رہتی ہے۔ اس کے لئے یہ منزلِ مقصود نہیں۔ اکثر لوگ یہ بھید بیٹھتے ہیں کہ ابھی جانا باقی ہے۔ سالک کی یہ وہی افتادِ طبیعت ہے۔ جس کی طرف ایک شاعر نے نہایت لطیف پیرائیہ میں یوں اشارہ کیا ہے۔

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے۔

## طاعت

ہم نے ابھی تک عبادات کا ذکر کیا ہے اللہ تک پہنچنے کے لئے ان کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہوتی ہے۔ اسے طاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ طاعت اور ذکر راہِ معرفت کا توشہ ہیں۔ جہاں ذکر، عجلت اور عدم توجہ سے بے اثر رہتا ہے۔ وہاں طاعت معصیت اور گناہ سے بے معنی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی انسان اللہ کا قرب چاہتا ہے تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ برابر ذکر کرتا رہے اور معصیت اور غفلت سے بچنے کی کوشش کرے۔

طاعت کے لغوی معنی عبادت خصوصاً بندگی کے ہیں اور بندگی کا تقاضہ ہے کہ آقا کے سامنے سرِ تسلیم خم رہے۔ نماز اور ذکر میں سراپا محویت کا عالم ہوا اور ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی باطل خیال توجہ کو بھٹکا نہ سکے۔ لیکن یہ کام بہت مشکل ہے اور اس کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ توجہ عموماً ایک مرکز پر قائم نہیں رہتی پھر جو جتنا ذہین ہوتا ہے۔ اُتنے ہی اُسے دوسرے خیالات اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ توجہ یا حضوری قائم رکھنے کے لئے سالک کو چاہیئے کہ عبادات میں کبھی الفاظ کی طرف توجہ دے تو کبھی اُن کے معانی کی طرف متوجہ ہو۔ کبھی ذاتِ حق کا



Marfat.com

خیال دل میں لائے تو کبھی دھیان رویتِ حق یا النظر الکعبہ ہو۔ ان تدابیر کے ذریعے حرکتِ فکر کا بھی انشاء اللہ مداوا ہو جائے گا اور حضوری بھی میسر آ جائے گی

## شرحِ صدر

طاعت کا ایک کرم یہ بھی ہوتا ہے کہ شرحِ صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ بہر حال عبادات میں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر فکرِ غیر اللہ کی ہمہ وقت نفی ہو یعنی جب بھی اللہ کے علاوہ کسی غیر کا خیال آئے اس کی کاٹ کی جائے۔ یہاں شرحِ صدر سے مراد دل کا کھلنا ہے اور یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ وہی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کو اس وقت یاد دلائی جب حالات نہایت پریشان کن تھے اور آپؐ خود کو تنہا اور بے یار و مددگار پاتے تھے۔

فرمایا۔ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ

" ( اے پیارے نبیؐ ) کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا"

یہاں سینہ کھول دینے سے مراد دل کی سیاہی دور کر دینا اور حوصلہ کشادہ رکھنا ہے۔ فرشتوں نے حضورؐ کا سینہ چاک کر کے سیاہی کو دھو ڈالا تھا۔ اور وہاں بجز نورِ حق کے اور کچھ نہ رہا تھا۔ آپ کو ذہنی خلجان اور تردّد سے بھی نجات دے دی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے مقابلے کو جانا پڑا تو انہوں نے بھی شرحِ صدر کی دعا اس طرح مانگی تھی۔

" رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ

اے میرے رب میرا سینہ کھول دے (یعنی مجھ کو ہمت اور حوصلہ عطا فرما ) اور میرا کام مجھ پر آسان فرما

اس سے پتہ چلا کہ سالک کی راہ اسی وقت آسان ہو سکتی ہے کہ جب شرحِ صدر سے اس کا حوصلہ کشادہ ہو جائے اس کا ذہنی خلجان جاتا رہے اور اس کا دل اللہ کی محبت اور اس کے نور سے منور ہو۔ پھر نہ کوئی خوف اسے ستاتا ہے اور نہ کوئی مصیبت اس کے لئے حوصلہ شکن ثابت ہوتی ہے۔



Marfat.com

بڑی بڑی آزمائش کے باوجود اس کی طاعت اور بندگی میں فرق نہیں آتا ۔ الغرض وہ کبھی تنگ دل نہیں ہوتا ۔

طاعت میں ایک بڑا عنصر محبت کا ہے ۔ محبت یکسوئی بخشتی ہے ، خلوص پیدا کرتی ہے ، نیت کو سنوارتی ہے اور ہمارے طرزِ فکر کو نکھارتی ہے ، نیند ، تھکن بھوک ، پیاس ، بیماری ، بے کسی ، بے چارگی ، راہ کی ناہمواری غرضیکہ ہر اس دشواری کا مداوا کرتی ہے جو ایک سالک کو درپیش ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے ۔ اگر محبت طاعت کا ساتھ دے تو راہِ حق میں غیر کا سہارا ڈھونڈنے کی حاجت نہیں ہوتی اور مرشد سے عقیدت خود بخود ہو جاتی ہے ۔

یہاں ایک بات وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ لغزش سے طاعت منقطع نہیں ہو جاتی بشرطیکہ بندے کی نیت بندگی پر قائم رہے اور ہر لغزش پر ندامت کا اظہار ، خطا کا احساس اور اصلاح کی نیت ہو ۔

ایک دفعہ ایک خاتون نے جو ذہنی بیماری کا شکار تھیں لیکن ہمیشہ سے بڑی عبادت گذار اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھیں ۔ ایک مرتبہ بڑی آہ وزاری کی کہ میں کافر ہو گئی ۔ نماز میں خیالاتِ فاسد آتے ہیں ۔ سورتیں بھول جاتی ہوں ۔ وظائف یاد نہیں رہے ۔ عبادت میں جی نہیں لگتا ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری نجات کیونکر ہو گی ۔ روتی ہوں ، توبہ استغفار کرتی ہوں ، اپنی خطاؤں پر نادم ہوں نجانے روزِ محشر مجھ پر کیا گذرے گی ۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ خدا کا شکر ہے کہ باوجود ان مشکلات کے آپ عبادت پر قائم تو ہیں اور فکرِ عقبیٰ مستحکم اور نیت صالح ہے ۔ آپ ماشاءاللہ حقِ بندگی پوری طرح ادا کر رہی ہیں ۔ باقی کام آقا کا ہے آپ کیوں اس کی فکر کریں اس کا وعدہ ہے کہ وہ اپنوں کو کبھی نہیں چھوڑے گا ۔

## فکر یا تفکر

فکر کے معنی سوچنے کے ہیں ۔ اللہ کے بارے میں سوچنا ، اُس کی نشانیوں پر نظر ڈالنا ، اس کائنات کی نیرنگی کا مطالعہ کرنا اور عجائباتِ قدرت کی طرف



Marfat.com

دھیان دینا ۔ قرآن پاک میں عبادت سے زیادہ اس فکر اس مطالعۂ کائنات پر زور دیا گیا ہے ۔ کوئی چھ سے زیادہ آیات ہیں جن میں اس کا تذکرہ ہے ۔ جب کہ عبادت کے متعلق تقریباً ایک سو پچاس آیات ہیں ۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے ۔ فکرِ عمل کی دعوت دیتی ہے ۔ اس کی بدولت حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور ایمان کو تقویت پہنچتی ہے ۔ جب انسان اس بسیطِ کائنات پر نظر ڈالتا ہے تو وہ حیرت انگیز نظام قدرت اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جو اس عالم کی ایک ادنیٰ ترین تخلیق کے پس پردہ کار فرما ہے ۔ پھر اس کی عقل کی آنکھیں کھلنی شروع ہوتی ہیں ۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُسے دعوتِ نظارہ دیتا ہے ۔ اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے ۔ بنابریں وہ اپنی ودیعت کردہ قوتوں کو بروئے کار لاکر علم کے مخزن کی کھوج لگاتا ۔ اب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دنیا میں اپنے کا کوئی مقصد ضرور ہے اور اُسے ایک نہ ایک دن اس کے نظام کے خالق کو جس کے وجود کا احساس انکشافات اور ذاتی مشاہدوں کی وجہ سے ہر لحہ شدید تر ہوتا جاتا ہے ۔ اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا ۔ اس لطیف نکتہ کو سمجھانے کے لئے ہم آپ کی توجہ قرآن پاک کی اس آیات کی طرف مبذول کراتے ہیں ۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ
وَعَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ ۔

"کیا یہ لوگ کائنات اور اس میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کرتے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے ۔"

یہاں بنی نوعِ انسان کو کائنات پر غور کرنے کی دعوت اس لئے دی ہے کہ اس کی فکر کو حرکت ہو اور وہ قابل بہ عمل ہو ۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ترقی کی راہیں



Marfat.com

مسدود ہو کر رہ جائیں گی۔ قوم بغیر مقصد جستجو اور فعالیت کے جلد اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے اور اس میں انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے۔ پھر ملتِ اسلامیہ تو اس عالم کی رہبری کے لئے وجود میں آئی ہے۔ وہ بغیر عمل کس طرح اپنی انفرادیت برقرار رکھ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحیثیت ایک ضابطۂ حیات کے اسلام کا ہر پہلو نہ صرف عمل کا مظہر نظر آتا ہے۔ بلکہ اس کا پُرزور مطالبہ کرتا ہے۔ جہاں عبادات میں طاعت کا اظہار جسمانی، روحانی، فکری اور قلبی ہوتا ہے۔ تو وہاں آپس کے روزانہ کے دنیاوی تعلقات میں بھی اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پھر یہاں کی ہر حرکت مربوط، بارآور، بامعنی اور بامقصد ہوتی ہے۔ اس کا محرک صرف ذاتی منفعت نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم لین دین میں ایمانداری اس لئے نہیں برتتے کہ اس سے ہماری آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا یا لوگ ایماندار کہہ کر ہمیں معاشرہ میں کوئی اعلیٰ مقام دیں گے۔ بلکہ ایسا ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ہمارے خالق نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسے اس میں ہماری بہتری مقصود ہے۔ ہماری فکر ہمیں یقین دلاتی ہے کہ اگر معاشرہ میں ایسا نہ ہو تو آپس کے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ فرد کا کردار تخریب کا شکار ہو سکتا ہے۔ اور قوم میں بے اعتمادی آ سکتی ہے۔

قرآن پاک کی آیت کریمہ ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَءَ الْخَلْقَ ۔

"(مسلمانوں سے) کہو کہ وہ کرۂ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ آفرینش کی ابتدا کیسے ہوئی۔"

اس کے ساتھ حضور پاکؐ کی دُعا۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ كُلِّ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ

"اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی اصلی حقیقت سے آگاہ فرما۔"

اس دعا کا بغور مطالعہ کریں تو آپ پر حدیثِ درج ذیل کی حقیقت اور اہمیت



Marfat.com

واضح ہوجائے گی ۔

تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃٍ

" ایک گھڑی کا تفکر، ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے ۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس عمل یا حرکت کی بات اس سے پہلے کی گئی ہے۔ وہ عمل اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ انسان کنویں کے مینڈک کی طرح ایک ماحول میں بند ہے نہ رہ جائے یا اپنی حکمت اور فکر کو چادر سے مُنہ ڈھانک کر مقید نہ کرلے یا اسے کشف القبور یا مکاشفہ لطائف غیبی کے مراقبہ تک محدود سمجھے۔ ایسا کرنا نہایت نادانی ہے ۔ بے عملی جمود کا باعث ہوتی ہے ۔جب قدم اُٹھتے ہیں تب ہی فکر کو تحریک ہوتی ہے ۔جتنا زیادہ قدرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جاتا ہے ۔حقائق کا بہتر ادراک اور واضح ہوتا جاتا ہے ۔نتیجتاً ہمارے علم کی دنیا میں اضافہ ہوجاتا ہے ۔ اس طرح بسا اوقات ہماری سوچ کی نوعیت بدل جاتی ہے ۔اور حل طلب مسائل کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں ۔

## تفکّر کی اقسام

تفکّر کی اقسام ـــــ تفکر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۔تفکّر بالمشاہدہ اور تفکّر بالمراقبہ ۔ تفکّر بالمشاہدہ یہ ہے کہ اللہ نے جو رنگ برنگی کائنات بنائی ہے ۔ اس کی خوبصورت چیزوں کا بغور مطالعہ کیا جائے اس کے حُسن کو نظر میں رکھا جائے اور اس حُسن کے پیچھے جو خالق کارفرما ہے اُس کا خیال کیا جائے ۔ پھر اس غور و فکر کی عادت کو وسعت دے کر اپنے اندر اتنا انہماک پیدا کیا جائے کہ ایک وقت وہ آجائے کہ کسی شئے کے حُسن کو دیکھ کر اُس کی ذات کی بجائے خیال ذاتِ حقیقی کی طرف رجوع ہو اور اس کی موجودگی کا احساس ہو یہی وہ منزل ہے جہاں سے حضوری کی ابتداء ہوتی ہے ۔ آیا اس حضوری کی بدولت وہ ہستی نظر آسکتی ہے جس کا احساس اس طرح بیدار ہوجاتا ہے ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بغیر ہچکچاہٹ کے مثبت ہیں دیا جاسکتا ہے ۔مگر اس



Marfat.com

دید کی نوعیت کو سمجھنا قدرے مشکل ہے ۔ اس کا مشاہدہ بجائے ظاہری آنکھوں کے " ایک ایسی حس کے ذریعے ہو گا جس کو بصارت کی روح کہنا چاہیئے اور جو آنکھ سے کہیں زیادہ دیکھتی ہے ۔ (۱) خالق کی عین ذات کو جس طرح سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیکھا وہ نہ کسی نے پہلے دیکھا تھا اور نہ آئندہ کبھی کوئی دیکھے گا ۔ البتہ اس کی بصیرت سالک کو میسر آسکتی ہے ۔ بشرطیکہ اللہ چاہے ۔ بصیرت کو ہم عرفان سے تعبیر کرتے ہیں ۔ جو خداداد ہے اور بقولِ جگر ۔

" اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں ۔ "

عرفان اور روحانی طاقت یہ دو چیزیں ایک بزرگ کی خصوصیات ہوتی ہیں ۔ لیکن ایک ہی درجہ کی روحانیت اور عرفان کم بزرگوں کو میسر آتا ہے ۔ اس بصیرت اور عرفان کو سمجھنے کے لئے ہمیں ایک بات یہ بھی اپنے سامنے رکھنی چاہیئے کہ ایک محدود کے لئے ایک لامحدود کا صحیح تصور کرنا دشوار ہے مثلاً ہم کسی انسان سے اگر یہ کہیں کہ فلاں پہاڑی کے پیچھے ایک چشمہ ہے اور اس انسان کی نظریں صرف پہاڑی تک دیکھ سکتی ہیں تو وہ کس طرح باور کرے گا کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے ۔ اب یہ بات جُدا ہے کہ کہنے والے کی صداقت پر اُسے پورا بھروسہ ہو ۔

میں نے جب بھی تربیتی ہوائی جہاز میں سفر کیا ہے ، محدود اور لامحدود کا فرق واضح سے واضح تر ہوا ہے فضا میں جہاز جیسے جیسے بلند ہوا دید کا دائرہ نسبتاً وسیع ہوتا گیا ۔ پہلے جو پہاڑیاں وسعتِ نظر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے دکھائی دیتی تھیں رفتہ رفتہ نظر اُن کی گرفت سے آزاد ہوتی گئی اور پھر وہ دنیا اُس کے سامنے آئی جو ان پہاڑیوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی اور جب ان کی بلند ترین چوٹی کے اُوپر سے پرواز کی تو غاروں کے دہانے کھُل گئے ۔ میلوں کے فاصلے منٹوں میں سمٹ کر میرے سامنے آگئے ۔ نظر کی وُسعت بسیط بنی ۔ اس میں گہرائی

---

(۱) تعمیر ملت مصنفہ خواجہ عبد الحکیم انصاری رح



Marfat.com

آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پوری آب و تاب کے ساتھ ان مظاہر کے پس پردہ وہ عظیم ہستی جلوہ گر ہوئی جو خالقِ کل اور ربِ جلیل کہلاتا ہے ۔ یہ جھلکیاں صاحبِ ادراک کی بصیرت افزائی کے لئے کافی ہیں ۔ جب بھی انہیں دیکھا ہے ۔ یوں لب کشائی ہوئی ہے :

نقوشِ خندہ لب ریگِ ذہن پر
چمکتے ہیں مثالِ ماہ و اختر
تجلی ہے ، ترنم ہے کہ تنویر !
ہیولیٰ ہے وہ کیا جس کے ہیں پیکر !

اصغر نے سچ ہی تو کہا ہے ۔

تیرے جلوں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبان بے نگہ رکھ دی ، نگاہ بے زباں رکھدی

یہی کیفیت کچھ کچھ دوربین کے ذریعہ ماحول کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے لیکن خوردبین تو وہ وہ دکھاتی ہے کہ اپنے مشاہدہ پر یقین نہیں آتا ۔ چشم زدن ایک حیرت انگیز دنیا نظر کے سامنے آجاتی ہے ۔ یہ حال تو ہمارا اُن تدابیر کی بدولت ہیں جو خود ساختہ ہیں ۔ اگر اللہ کا کرم نصیب ہو اور نگاہوں کے پردے اُٹھ جائیں تو پھر انسان کیا کچھ نہیں دیکھ سکتا ۔ معراج کا واقعہ ہمارے سامنے ہے ۔ اپنے پیارے نبیؐ کو پلک جھپکتے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اُنہوں نے کیا کچھ نہیں دیکھا ۔ اس کا اظہار قرآن پاک میں ان الفاظ میں ہوا ۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ

رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝

(پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اُس کو جھوٹ نہ جانا۔ کیا وہ جو کچھ دیکھتے ہیں تم اُن سے جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا پرلی حد کی بیری کے پاس۔ اُس کے پاس رہنے کی بہشت ہے۔ جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ اس کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی (انہوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (سورۃ النجم)

دیدارِ الٰہی کے متعلق قرآن پاک میں سورۃ الکھف، سورۃ العنکوت اور سورۃ القیامہ میں ذکر ہے۔ دو آخر الذکر سورتوں میں یہ قیامت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن سورۃ الکھف میں اس پر زمانہ کی قید متعین نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سے ملاقات کی بندہ کو ایک ترکیب بتا دی گئی ہے اور وہ یہ ہے۔ " تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے۔ چاہیئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے " (سورۃ الکھف)

یعنی اگر انسان عبادت کرے، ذکر، فکر اور تزکیۂ نفس کی طرف توجہ دے اور اعمال صالح کو اپنائے تو یقیناً وہ قرب الٰہی کو پا سکتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ کی ذات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ فیض بالکلیہ مولیٰ کا ہے جس پر چاہے وہ اپنا کرم کرے۔ با ایں ہمہ اگر اُس کا جلوہ نصیب بھی ہو جائے تو اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ وہ سراپا نور ہے اور نور بھی نہیں، اُس کا اپنا پیکر ہے اور پیکر بھی نہیں۔ مثال کے ذریعے اس کو سمجھایا نہیں جا سکتا۔ نظر دیکھے بھی تو وہ اس کی گرفت سے بالاتر ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے جنہوں نے ایمان بالغیب کے ذریعے اس کو ڈھونڈا وہ مایوس نہ ہوئے



Marfat.com

وہی اس کے سچے بندے ہیں اور وہ اُس کو پالیتے ہیں۔

مندرجہ ذیل باتوں پر کامل اعتقاد اور غور و فکر سالک کو اس کی روحانی استعداد کے مطابق اللہ کے جمال کا مشاہدہ کرا سکتا ہے انشاءاللہ۔

"اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ" ط

بے شک اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔

"ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ"

وہی اوّل، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن۔

یہ ایک عام غلط فہمی ہے اور ہمارے دشمنوں کی پیدا کردہ ہے کہ نعوذ باللہ ہمارا دین وقت کے تقاضوں کے مطابق نہیں رہا۔ لہٰذا زیادہ کھوج لگانا اور علم کی روشنی میں اس کو پہچاننا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ حالانکہ تفکّر بالمشاہدہ کا ایک مؤثر طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ اشیاء کی ساخت پر غور کیا جائے مثلاً روشنی، حرکت، برق، ایٹم خود انسان کی ذات کا مطالعہ اور اس مطالعہ کے ذریعے اللہ کی صناعی، اس کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی یکتائی کا قائل ہوا جائے۔ سائنس کا مطالعہ اس اعتبار سے نہایت سود مند ثابت ہو سکتا ہے چہ جائیکہ اس میں رخنہ اندازی اور گمراہی کا امکان ہو۔ فرانس کے مشہور و معروف سائنسدان ڈاکٹر مارس بیوکیل نے اپنی کتاب انجیل، قرآن اور سائنس میں اس حقیقت کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ قرآن پاک سے ایسی مثالیں پیش کی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے جیسے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جائے گا بہت سے ایسے حقائق ہم پر آشکار ہونگے جن کا ذکر قرآن پاک میں تو ہے مگر وہ ہمارے محدود علم کی وجہ سے ابھی تک ہماری دسترس سے باہر ہیں۔

## تفکّر بالمراقبہ

مراقبہ کے معنی نگہبانی یا دھیان کے ہیں لیکن تصوف کی زبان میں اس سے مراد دماغ میں اُس تصوّر یا خیال کو قائم رکھنے



Marfat.com

سے ہوتی ہے۔ جو اس انداز سے قائم کیا جاتا ہے کہ اس کے ماسوا کوئی اور خیال تصور میں باقی نہیں رہا۔ تفکّر بالمشاہدہ اور تصوّر بالمراقبہ میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جہاں اوّل الذکر میں ہم اشیاء کی شکل وصورت پر غور کرتے ہیں۔ وہاں آخر الذکر میں ہم اشیاء یا اسماء کی حقیقت اور معنویت اور اپنے ذہن میں رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم برف کو دیکھیں تو تفکّر بالمشاہدہ میں ہم اس کی "چمک" "سفید رنگ کی شوخی اور خوبصورتی کے تصور میں محو ہو جائیں گے۔" برخلاف اس کے تفکر بالمراقبہ میں ہم اُس کی کسی ایک صفت پر ارتکاز کریں گے۔ اگر سردی کو لیں گے تو ہمارا انہماک اس میں اس درجہ بڑھے گا کہ ہم باوجود ماحول میں گرمی کے سردی محسوس کرنے لگیں گے۔

## مبادیات مراقبہ

مبادیاتِ مراقبہ یہ ہیں۔

ا۔ پہلے اللہ کے اسمائے صفات میں سے کِسی ایک اسم کو منتخب کیا جائے اور اس پر مراقبہ ہو۔

(ب) بعد مہارت، قرآن کی کسی ایک آیت پر اسی انداز سے غور کیا جائے۔

(ج) پھر اسم ذات اور فنا وغیرہ کا مراقبہ ہو۔

جیسا کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا "مراقبہ دراصل اس لئے کہا جاتا ہے کہ کشف حاصل ہو جائے، روحیں نظر آنے لگیں اور عالمِ مثال کا مشاہدہ حاصل ہو جائے۔ اور یہ سب باتیں قطع ماسویٰ میں ہی بعض سالکوں کو حاصل ہو جاتی ہیں قطع ماسویٰ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی سب چیزوں سے تعلق منقطع کر کے صرف اللہ کے ساتھ تعلق استوار کیا جائے۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے، بیٹھتے، ایک سیکنڈ کے لئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہوا جائے

مراقبہ میں دو اور چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ مراقبہ سے پہلے مشارطہ یعنی کیا کرنا ہے اور سوتے وقت محاسبہ یعنی کوششوں میں کامیابی اور ناکامی کا حساب کتاب۔

مراقبہ مرشد کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے اور وہ اس لئے کہ مرشد ہی

اس بات کا بہتر فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس سالک کے لئے کون سا اسم اور کون سی آیت کا مراقبہ زیادہ مناسب ہو گا۔

مراقبہ کرنے کے لئے کوئی خاص جتن درکار نہیں۔ بس تنہائی ہو اور خاموشی تاکہ دھیان کسی اور طرف نہ ہو۔ قبلہ رو ہو کر دو زانو بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں جس میں آرام ملے اُس طریقہ سے بیٹھنا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے جسم غور و فکر میں ساتھ دیتا ہے اور تکان محسوس نہیں ہوتی۔ آرام سے بیٹھنے کے بعد منتخب کردہ لفظ پر مراقبہ کیا جائے۔ اگر رحیم پر غور ہو تو اس طرح اس غور و فکر کو پھیلایا جائے کہ رحمت کا عام مفہوم دماغ میں پیوست ہو جائے اور اسم غائب ہو کر مسمیٰ باقی رہ جائے۔

مراقبہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کشف کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن کشف عین بزرگی نہیں اور نہ یہ تصوف کی منتہا ہے۔ کشف سے تو مستقبل کی باتوں کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ دنیا کے بہت سے علوم ایسے ہیں جن سے مستقبل کے بارے میں بہت کچھ بتایا جا سکتا ہے۔ مثلاً نجوم رمل، جفر، علم قیافہ، علم العید وغیرہ۔ ہمارے جعلی پیر اور صوفی ان ہی علوم میں سے کسی ایک میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ جب کوئی ان سے ملنے آتا ہے۔ وقت اور ساعت دیکھ کر یا اس کا نام معلوم کر کے دو چار گذشتہ باتیں بتا دیتے ہیں اور وہ اس طرح ان کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ پیر صاحب جو کچھ بھی اس کے مستقبل کے بارے میں بتاتے ہیں اس کو من و عن قبول کر لیتا ہے " بعض آدمی جو ستارہ سہیل کی ساعت میں پیدا ہوتے ہیں ان میں یہ طاقت فطری ہوتی ہے۔ جو کچھ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے، اکثر ہو جاتا ہے۔ بعض پیر نفسیات یا قیافہ کا سہارا لیتے ہیں اور بعض ہپناٹزم کا۔ غرضیکہ کاروبار کے بہت سے طریقے ہیں۔

انسان سے جتنے بھی نوادرات ظاہر ہوتے ہیں ان سب کا ماخذ دماغ ہی ہے ماہرین نفسیات نے اگرچہ انسانی دماغ کی مادی ساخت کے متعلق بہت کچھ علم حاصل کر لیا ہے لیکن وہ غیر مادی قوتیں جو ظہور پذیر ہو کر اُس کے ارادے اور



Marfat.com

تخیل کو وجود ظاہری یا مادی بخشتی ہے۔ اُن کا مکمل حال نہ اب تک کسی فلاسفر کو معلوم ہو سکا ہے نہ کسی ماہرِ نفسیات کو۔ ان میں سے خاص خاص قوتیں یہ ہیں۔

**لطائف** ــــــــــ ارادہ، خیال، تصور، احساس، حزن و مسرت اور وہ کوائف جن کا تجربہ صرف شاعروں، مفکروں اور اولیاء اللہ کو ہوتا ہے فلسفہ میں اُن کو مائنڈ یا ذہن کی قوتیں کہتے ہیں۔ تصوف میں ان کا نام لطائف ہے تصوف میں لطیفے۔ قلب، سِر، خفی، نفس، عقل اور روح بھی لطیفوں میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ چند لطیفے ایسے ہیں جن کے لئے ابھی تک کسی زبان میں کوئی نام نہیں ہے۔ ایک کامل صوفی اِن سب کی حقیقت کو کم و بیش ضرور جانتا ہے۔

تصوف کی زبان میں دل کو جو کہ گوشت کا لوتھڑا ہے قلبِ صنوبری کہتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں قلب حقیقی ایک لطیفہ ہے جس کے انوار سے قلب صنوبری منور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی لطائف ہیں جو خاص خاص مقامات سے مخصوص ہیں۔ مثلاً سر سینہ سے خفی مابین الحاجبین سے اور اخفی دماغ سے۔ ان مذکورہ اعضاء پر ان لطائف کے انوار اور برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ نقشبندیہ بزرگوں کے یہاں ان لطائف کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

" جیسا ماہرین نفسیات کہتے ہیں۔ انسانی دماغ کے دو حصے ہیں۔ ایک انسانی شعور کے متعلق ..... جب شعور غائب یا فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی جب حواس ظاہر کام کرنا چھوڑ دیں تو لاشعور جاگ اُٹھتا ہے اور اس کا تعلق عالمِ روحانی یعنی طبقاتِ ملکوت۔ جبروت، لاہوت اور ہو وغیرہ سے قائم ہو جاتا ہے جو واقعات اس عالم مادی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اُن سب کی تحریک اور روحانی تعمیر عالم قضا و قدر میں ہوتی ہے اور وہاں سے متذکرہ عوالم میں تنزل کرتی ہوئی۔ اس عالم مادی میں ظہور پذیر اور متشکل ہو کر ظاہری حواس کے ذریعے انسان کے علم میں آتی ہے اس لئے جب آدمی کا شعور بیدار ہونے کی وجہ سے ان عوالم سے متعلق ہو جاتا ہے



Marfat.com

آئندہ ہونے والے کچھ واقعات اُس کے لاشعور میں منقش ہوجاتے ہیں اور ایک کیفِ بےخودی میں اُس کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ فلاں بات ہونے والی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس شخص کو تمام عالم روحانی کا ہر واقعہ یا ہر بات معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کی روح کو اپنے جس قدر ماحول کا علم ہوتا ہے صرف اتنے ہی حصّہ میں سے تنزل کرنے والے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور یہ امر کہ کسی روح کا ماحول کتنا وسیع ہے اس کی لطافت اور طاقت پر منحصر ہے۔

" الغرض اس طرح وہ باتیں جو اس دنیا میں کچھ وقت بعد ظاہر ہونے والی ہیں اُس کو پہلے سے معلوم ہوجاتی ہیں۔ یہی کشف کہلاتا ہے۔ پاگلوں اور مجذوبوں سے جو کشف کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں اُن کا سبب بھی یہی ہے کہ اُن کے حواسِ ظاہری معطل اور لاشعور پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کا لاشعور ہر وقت ہی بیدار رہتا ہے ہرگز نہیں صرف کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ میں کشف کی یہ طاقت ارتکازِ خیال اور قوتِ ارادی سے پیدا ہوتی ہے اور ابتدا ہی میں میسّر آجاتی ہے۔ لیکن اس پر کسی سالک کو فخر نہیں کرنا چاہیئے اس کی آخری منزل تو معرفت ہے اور اس کو اسی کا جویا ہونا چاہیئے۔

ابھی ابھی ہم نے مجذوبوں کا ذکر کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ہر مخبوط الحواس کو مجذوب کہنا سراسر ظلم ہے۔ صحیح مجذوب دراصل وہ ہوتا ہے جس پر محویت اس درجہ طاری ہو کہ وہ ماسوا سے بےخبر ذاتِ باری تعالیٰ کے قربِ حضوری کا جویا ہو اور غرقِ شوقِ دیدار ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اس زاویۂ نگاہ سے یہ قول قابلِ غور ہے کہ " رسول اللہؐ کی امت میں سب سے پہلے مجذوب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے "

**تین قسم کے صوفی** حضرت علی ہجویریؒ نے بزرگوں کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

**صوفی** — وہ انسان جو مکمل سلوک کر کے درجۂ کمال تک پہنچ جائے یعنی اُس کو خدا کا عرفان حاصل ہو جائے۔

**متصوّف** — وہ شخص جس نے مکمل طور پر سلوک طے نہ کیا ہو بلکہ آدھا یا تہائی کیا ہو۔ لیکن عالم و فاضل ہو اور تصوف پر بڑی بڑی کتابیں پڑھ کر اُن کے کوائف اور آخری منازل و مقامات سے واقف ہو جائے۔ جہاں تک وہ خود نہیں پہنچا اور جس کا علم خود اُس کو ذاتی طور پر حاصل نہیں ہوا وہ صرف کتابی علم رکھتا ہے۔

**مستصوّف** — وہ لوگ جنہوں نے نہ عملی طور پر سلوک طے کیا، نہ تصوف پر کوئی مستند کتاب پڑھی۔ بعض نے فقیروں کا سا حلیہ بنا لیا اور ادھر اُدھر کی سُنی سنائی باتیں بنانے اور جُہلا کو بہکانے لگے۔

آخر الذکر کی اِن دنوں بڑی بہتات ہے۔ دین کی جس قدر ان کی وجہ سے خواری ہوئی ہے وہ اور کسی سے نہیں ہوئی۔ ناسمجھ اور سیدھے سادھے لوگوں کو ان کے چیلنج کرنے کی جرأت نہیں ہوتی اور لوگ اپنی محدود معلومات کی بدولت یہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ کہ شاید ان کی بات ٹھیک ہو۔ عوام کی دین سے ناواقفیّت سے جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے یہ پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اِصلاح فرمائے اور ان کے فریب سے اپنی مخلوق کو بچائے۔

**چار قسم کے انسان** — اس ضمن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بڑی دلچسپ باتیں کہی ہیں۔ اُنہوں نے علم و عمل اور افادیّت کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں بتائی ہیں۔

اوّل وہ ہیں جن کی نہ زبان ہے اور نہ دل۔ یہ لوگ بے علم اور بے عمل ہوتے ہیں۔ بے بس بے کار محض قسم کے انسان، ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مبرّا۔

دوم وہ جن کی زبان ہے مگر دل نہیں ۔ بڑی لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں۔ ان کی باتوں سے علم و دانش کا اظہار ہوتا ہے ۔ مگر خود بے عمل ہوتے ہیں۔ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں مگر خود خدا سے دور رہتے ہیں ۔ دوسروں کے عیوب پر انگشت نمائی کرتے ہیں مگر اپنی خامیوں پر نظر نہیں ڈالتے ۔ انہیں کبیرہ گناہوں سے بھی اجتناب نہیں ۔

سوم وہ جن کے دل ہیں مگر زبان نہیں ۔ ان کو اللہ اپنی خلقت سے پوشیدہ رکھتا ہے ۔ انہیں خدا نے اپنی پناہ میں لے رکھا ہے اور ان کے دلوں کو روشن کر دیا ہے ۔ یہ خدا کے دوست ہیں اور اس کے بھید ہیں ہیں "

چہارم وہ جو علم سیکھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اسے دوسروں کو سکھاتے ہیں ۔ انہیں عالم ملکوت میں عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔ وہ خدائے تعالیٰ اور اُس کی آیات سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کے دل کو اس کے علم کے عجائبات کا امانت دار بنایا گیا ہے ۔ خدا نے (انہیں) وہ بھید بتا دیئے ہیں جو دوسروں سے پوشیدہ ہیں۔ انہیں چُن کر برگزیدہ کر لیا ہے ۔ ان کا مخلوق میں انبیاء کے بعد سب سے بلند درجہ ہے۔

## تصوّف اور دوسرے علوم میں فرق

تصوّف اور دوسرے علوم میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ برخلاف اور علوم کے یہاں عمل پہلے آتا ہے اور علم بعد میں میسّر ہوتا ہے ۔ پہلے سالک اُن اعمال مخصوصہ کے ذریعے خود کو تیار کرتا ہے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ۔ جب ان کی بدولت منجھ کر اس میں جلا پیدا ہو جاتی ہے ۔ تو معرفت کا نزول ہوتا ہے اور رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ پھر بتدریج جہالت کے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں ۔ حضرت امام غزالیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ ملاحظہ ہو ۔

" تصوف اور دوسرے علوم میں یہ فرق ہے کہ اور علوم تو پہلے حاصل کئے جاتے ہیں ۔ پھر ان پر عمل کیا جاتا ہے ۔ لیکن تصوف میں اس کے برعکس پہلے کچھ



Marfat.com

عمل کرنے پڑتے ہیں پھر علم حاصل ہوتا ہے۔"

ان عملی اقدام میں اخلاقِ حسنہ میں کمال حاصل کرنا بھی شامل ہے جن کا ذکر ابھی تک تفصیل کے ساتھ نہیں ہو سکا ہے۔ تزکیۂ اخلاق کے بغیر ایک انسان صحیح معنوں میں انسان نہیں بنتا۔ اس تزکیۂ اخلاق میں تزکیۂ نفس بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ بغیر تزکیۂ نفس کے تزکیہ اخلاق ناممکن ہے۔ قبل اس کے کہ اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی جائے۔ لفظ تزکیہ کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اولاً پاک صاف کرنا اور ثانیاً" نشوونما دینا، بڑھانا یا ترقی دینا۔ اس اعتبار سے تزکیۂ نفس سے ہماری مراد نفس کو بُری باتوں سے پاک کرنا اور اس میں اچھی صفات کو ترقی دینا ہے۔ موجودہ دَور میں اسے تربیت اور تعمیر سیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تزکیۂ نفس کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ہم طاعت اور بندگی کے زیور سے آراستہ ہو سکیں جو ہمارا عین مقصد حیات ہے۔

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَآءَ ۔

(اُن کو اس کے سوا اور کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنی طاقت کو اس کے لئے خاص کر کے (اور) پوری طرح یکسو ہو کر) اور اس بندگی کا معیار حضورؐ نے یوں فرمایا ہے۔

خوبی یہ ہے کہ تو اللہ کی بندگی اس طرح کر کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ یا اگر اس حد تک نہیں تو کم از کم اس احساس کے ساتھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے

دراصل اسلام کے پیشِ نظر ایسے انسان تیار کرنا ہے جو ① مُتَخَلِّق با آخلاق اللہ ہوں۔ صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ بن کر زمین میں کام کریں اور اس

---

تصوف و تعمیر سیرت از عاصم نعمانی

کام کے صلے میں اللہ کے تقرب سے سرفراز ہوں۔

## تزکیۂ نفس

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داریاں امت کی اصلاح کے لئے حضورؐ پر عاید کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک ذمہ داری تزکیۂ نفس بھی تھی۔ وَیُزَکِّیھِمْ (اور نبیؐ کے فرض میں سے ہے کہ اُن کی زندگیاں سنوارے) زندگی سنوارتے ہیں خیالات، اخلاق، عادات، معاشرت تمدن، سیاست غرضکہ ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔

اس تزکیۂ نفس کے بارے میں حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردیؒ نے بڑے پتہ کی باتیں کہی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"جب تک دل کو کھوٹ، دغا، فریب، دشمنی، کینہ، حرص، کبر، بُغض ریا اور غُصّہ سے صاف نہ کرے۔ کبھی صفائی باطن میسّر نہیں ہو سکتی اور نہ ایسے شخص کے لئے گدڑی اور صوف پہننا جائز ہے۔"

"صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ کرتا رہے اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک صاف رکھے۔"

"مرید کا تزکیۂ نفس شیخ کا مرتبہ اور اس کی تربیت کے اثر کو واضح کرتا ہے۔"

## طہارت

تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں سورۃ مدثر کی یہ آیات۔

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ۔

(اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔)

بھی قابلِ غور ہے۔ یہاں صرف لباس کی ظاہری آلودگی ہی سے پاکی مقصود نہیں ہے بلکہ اخلاقی عیوب سے بھی پاکی درکار ہے۔ یعنی ہمارا لباس ایسا ہو کہ اِس میں فخر و غرور ریاء اور نمائش کا شائبہ تک نہ ہو۔ عربی میں "پاک دامنی کے ہم



Marfat.com

معنی الفاظ اخلاقی برائیوں سے پاک ہوتے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ ہونے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ۔ ابن عباس ، ابراہیم نخعی ، شعبی ، عطاء مجاہد قتادہ ، سعید بن جبیرؒ ، حسن بصری اور دوسرے اکابر مفسرین نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے یعنی یہ کہ اپنے اخلاقِ پاکیزہ رکھو۔

روحانیت انسانیت کا دوسرا نام ہے ۔ جب انسان خواہشات پر قابو پالے اور بندگی کی راہ پر چل نکلے تو اس کا اخلاق سدھر جاتا ہے ۔ اور رضائے الٰہی کی طلب ، ذات کی فکر سے نجات دلا دیتی ہے ۔ اس طرح فرد کی مکمل ذاتی اصلاح ہو جاتی ہے ۔ اس کی یاد دہانی کے لیے قرآن پاک کی یہ آیت اُس کے سامنے بار بار آتی ہے ۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝

لیکن ایک فرد تنہا نہیں جیتا ۔ وہ معاشرہ کا ایک رکن ہے لہٰذا اسے اجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے ۔ اس لیے تزکیۂ اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں کامیابی اخلاق کی نکھار پر ہے تو پھر ہمیں یہ بھی واضح کرنا ہوگا کہ ہماری اخلاق سے مراد کیا ہے سادی زبان میں اخلاق بجز اس کے کچھ نہیں کہ بندوں کے حقوق اپنا فرض جان کر خوش اسلوبی اور پیار کے ساتھ ادا کئے جائیں ۔ ہمارے رویہّ سے محبت اور استقامت کا اظہار ہو ۔

تزکیۂ اخلاق کے لئے جو سلوک میں طریقے رائج ہیں انہیں ہم تصوف کی اصلاح میں نفس کشی کہتے ہیں ۔ نفس کشی کے لغوی معنی ہیں نفس کو ہلاک کرنا اور اس کی خاطر دوسرے مذاہب میں بڑی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں

اور بڑی کٹھن اور صبر آزما مشقتوں اور منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ الحمدللہ صالح اسلامی تصوف ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرتا۔ وہاں سالک کے کھانے پینے پر کسی قسم کی قید نہیں اور نہ ہی لباس پر کوئی شرط عائد ہے۔ پابندی ہے تو بس اتنی کہ سالک دورانِ سلوک سادہ کھائے، سادہ پہنے اور ہر لحاظ سے سادہ زندگی گزارے اور سپاہیانہ روش اختیار کرے۔ اسے ترکِ دنیا کا وہ رنگ اختیار کرنا نہیں ہوتا جو اور مذاہب سے وابستہ ہے۔ صرف حضورؐ کی تقلید کرنی ہوتی ہے۔ جنہوں نے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس دنیا کو نہیں اپنایا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے آپؐ کو کھال کے بنے ہوئے گدے پر اس طرح استراحت فرما دیکھا کہ جسم مبارک پر نشان پڑ گئے تھے۔ دو عالم کے بادشاہ کا کل متاع یہ گدا، ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا۔ آپ یہ دیکھ کر بہت افسردہ ہوئے۔ آپؐ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ اے عمرؓ کیا تم یہ نہیں نہیں سمجھتے کہ ان کافروں کے لیئے دنیا کا آرام اور ہمارے (مسلمانوں) کے لئے آخرت کی آسائش موجود ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری رہبری کے لئے ایک اور حدیث قابلِ غور ہے۔

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ
(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ "تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم ایک مسافر ہو یا راستہ چلنے والے"

اسلامی تصوف میں اگر کوئی نفس کشی ہے تو بقول انصاری صاحبؒ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر و نہی کی جو حدود مقرر کر دی ہیں ان کو قطع نہ کیا جائے۔ نیز سالک کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے ماحول اور ایسی صحبت سے بچے جس میں نفس کا کسی برائی کی طرف راغب ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر سالک کے نفس میں کبھی کوئی بُری خواہش پیدا ہو تو وہ فوراً دماغ کو پاس



Marfat.com

انفاس کے ذریعہ اللہ کی طرف رجوع کرے اگر اس طرح بھی کام نہ بنے تو وہ وضو کرے اور دو یا چار نفل نماز ادا کرے اور استغفار کی دو ایک تسبیحیں پڑھے۔

## صبر و مصابرت

اخلاق کی اصلاح اور اس کی نکھار کے لیے سالک کو خاصی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اسے کچھ عادتیں ایسی اختیار کرنی پڑتی ہیں جو ابتدًا تکلیف دہ محسوس ہوتی ہیں مثلاً صبر یا قوت برداشت۔ یہ دنیاوی زندگی میں کامیابی کے لئے ضروری ہے اور روحانی ترقی کے لئے بھی ناگزیر۔ صبر اس کیفیت کا نام ہے جب محرکِ دینی محرکِ ہوائی پر غالب ہو جاتا ہے یعنی دینی قوت نفسانی قوت پر غلبہ پا لیتی ہے۔

صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی العمل (یعنی نفس کو کسی کام پر روک لینا اور اس پر جم جانا مثلاً نماز کی پابندی (۲) صبر فی العمل (یعنی عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا مثلاً نماز کے دوران کسی اور بات کا خیال نہ لانا (۳) صبر عن العمل (یعنی نفس کو ان باتوں سے روکنا جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ مثلاً معاصی یہی وجہ ہے کہ صبر کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانُ۔

صبر کو اپنانے کے لئے سالک کو دن رات اللہ سے لو لگانی پڑتی ہے اور اللہ کے خیال اور یاد سے اپنے دل و دماغ کو اس طرح بسانا پڑتا ہے گویا وہی اس کی ساری آرزوں اور تمناؤں کا محور ہے۔ اگر یہ طرزِ فکر پیدا ہو جائے تو صبر کو اپنانا آسان ہے۔ ویسے صبر کرنا بہت مشکل چیز ہے قدم قدم پر امتحان۔ لحظہ لحظہ زمان و مکان کا کھنچاؤ گویا جا ایں جا است۔ حالات کا اپنی مرضی کے مطابق ساتھ نہ دینا۔ تمناؤں کا



Marfat.com

اچانک پامال ہونا۔ دوست احباب کی بے وجہ مخالفت اور رخنہ اندازیاں۔ اولاد کی طرف سے مایوسی۔ پیسہ کی طرف سے تنگی۔ صحت کی طرف سے بے چینی، حال کا غم مستقبل کا خوف، ماضی کی تلخیاں۔ کیسے کیسے صبر کے امتحان ہیں دانسان بے چارہ کیا کرے۔ بقول جگر

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

یہی وجہ ہے کہ صبر سے صحیح ایمان پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "صبر تمام تر ایمان ہے"

فرمان الٰہی ہے کہ

"صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی خبر سنادو"

(سورۃ المدثر)

صبر کے بہت سے پہلو ہیں ایک یہ کہ جلد بازی سے اجتناب کیا جائے اور بردباری اور تحمل سے کام لیا جائے۔ جوش میں یا طیش میں آکر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب مقصد برآری کی راہ میں رکاوٹیں آئیں یا دشواریوں کا سامنا ہو تو مستقل مزاجی اور پامردی کا اظہار کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اگر کوششیں جلد بار آور نہ ہوں تو بھی ہمت ہارے بغیر آگے کی طرف ہی قدم بڑھائے جائیں۔ چوتھے یہ کہ لاکھ خطرات سامنے آئیں، حرص و طمع کی یلغار ہو، نامرادی کا خوف ستائے پھر بھی لغزش پا دیکھنے میں نہ آئے۔ اگر جذبات برانگیختہ ہوں تو بھی ہوش و حواس ٹھیک رہیں اور ٹھنڈے دل اور سکون کے ساتھ فیصلہ کرنے کی اہلیت برقرار رہے۔

اس صبر کے ساتھ مصابرت کا بھی اظہار ضروری ہے یعنی جس قوت کے ساتھ آپ کی مخالف طاقتیں آپ کے صبر پر حملہ آور ہوں، اُسی قوت، مستعدی اور حوصلہ کے ساتھ آپ ان سے نبرد آزما ہوں اور اپنے صبر کو اپنی

Marfat.com

ڈھال اور پشت پناہ بنائیں۔ سالک کے لئے اس نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے قرآن پاک میں " اصبرو" کے ساتھ " صابروا " کی قید لگائی گئی ہے اس کے پس پردہ اسی صبرِ محرک پر زور دینا مقصود ہے۔

ہمارے کرم فرما سیّد عبدالمعبود گیلانی صاحب کی زبانی صبر کی ایک عجیب و غریب ایمان افروز داستان سُنی۔ آپ نے بتایا کہ ۱۹۳۴ء میں ایک صاحب جو ہندوستان میں بڑے اعلیٰ عہدہ پر فائض تھے وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو بے سروسامان تھے اس کے باوجود فکر سے آزاد تھے۔ انہیں بشارت ہوئی کہ روضۂ اطہر پر حاضری دو اور بابُ النساء کی دربانی کرو۔ وہیں تمہاری روزی کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے خواب میں ایک عربی کو ہدایت فرمائی کہ صاحبِ موصوف کے لئے رہائش کا انتظام کرو لہٰذا اس نے ان کے نام اپنا گھر منتقل کردیا جو قریب ہی کے محلّہ میں واقع تھا مگر اس اللہ کے بندہ نے نہ کبھی کسی سے اپنی بے بسی کا گلہ کیا اور نہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کیا۔

میں ۱۹۷۵ء کے وسط میں روضۂ اطہر پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے پائے مبارک کی جانب ایک شخص سے ملا جو یہ کہتا تھا کہ تم ہی نے بلوایا تھا اور تم ہی میرے جانے کا بندوبست کرو۔ اور ایسا ہی ہوا تیسرے دن وہ نظر نہیں آیا۔ عجیب بات تھی اس عرصہ میں جو اُسے دیکھتا خاموشی سے کچھ نہ کچھ اُسے دے جاتا۔ لیکن اُسے مطلق اس بات کی فکر نہ تھی کہ کھانا کہاں سے ملے گا، رقم کا بندوبست کیونکہ ہوگا اور وہ کیسے پاکستان لوٹے گا۔ وہ بے یار و مددگار لیکن پُرامید اور پُرسکون روضہ کے ایک گوشہ میں بیٹھا رہا۔ آخرکار اس نے اپنے صبر کا پھل پالیا۔

غوثِ اعظمؒ فرماتے ہیں۔

"جب تجھ کو کوئی تکلیف لاحق ہو تو صبر کے ہاتھ سے اس کا استقبال کر اور سکون سے رہ"۔ صبر کی اس لئے بھی حاجت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ نفس پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔ پیرانِ پیر کا ذاتی تجربہ اُن ہی کی زبانی سُنیئے۔

"میں صبر کر چکا اور صبر کا انجام بہتر دیکھ چُکا ہوں۔ میں مر چکا ہوں اس کے بعد حق تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا اور پھر مجھ کو فنائیت کی موت دے دی ہے۔ میں معدوم ہو چکا ہوں اس کے بعد حق تعالیٰ مجھ کو غلام سے وجود میں لایا ہے۔ میں اس کی محبت میں مرمٹا اور اسی کی محبت میں بادشاہ بنا میں نے اپنے اختیار اور ارادہ کو چھوڑنے کے متعلق اپنے نفس کو خوب خوب مجاہدہ میں ڈالا ہے یہاں تک کہ یہ مرتبۂ قرب حاصل ہوا ہے کہ تقدیر میرا ہاتھ بنتی ہے۔ احسانِ خداوندی میری مدد کرتا ہے۔ فعلِ خداوندی مجھ کو چلاتا پھراتا ہے۔ غیرت میری حفاظت کرتی ہے اور مشیت میری مطیع رہتی ہے اور علمِ الٰہی میری پشت پناہ بنا ہوا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ مجھ کو بلند فرماتا ہے۔

الغرض صبر یا برداشت راہِ سلوک میں بہت ضروری رختِ سفر ہے اسی لئے اللہ کی طرف سے یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

یعنی بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو قوتِ برداشت رکھتے ہیں اور عقل کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔

## فقر

صبر کی طرح راہِ سلوک میں فقر کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی ذات سے وابستہ کیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

"الفقر فخری" یعنی فقر میرے لئے باعث افتخار ہے۔



Marfat.com

یہی نہیں بلکہ آپ نے اس بات کی بھی تمنا کی کہ وہ فقر کی حالت میں دُنیا سے رخصت ہوں۔ " بارِ الٰہا مجھ کو مسکین ہی زندہ رکھ اور اسی حالت میں مجھ کو موت سے ہمکنار فرما۔ اور حشر میں مساکین کے گروہ میں اٹھائیو۔"

لیکن یہ فقر غربت، ناداری اور محتاجی کا مترادف نہیں بلکہ یہ فقر نفس کا غنا، اس کی آسودگی، حرص و آواز سے مصؤن و مامون رکھنا ہے۔ یہ قناعت کا اظہار اور از خود حرص و ہوس کو خیر باد کہنا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ فقر بزرگان دین کا ہمیشہ سے ایک زیور سمجھا گیا ہے۔

## محبّت

خواص پسندیدہ میں فقر کے بعد محبت کا نمبر آتا ہے۔ مومن کا تو خیر یہ جزوِ ایمان ہے۔ محبت سب سے زیادہ اللہ سے ہونی چاہیئے پھر اس کے رسول سے اور اس کے بعد اس مرشد سے جسے سالک نے اپنی رہبری کے لیے منتخب کیا ہو۔ یہ محبت طبعی نہیں بلکہ عقلی اور ایمانی ہونی چاہیئے۔ عقلی محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب صفات پر نظر رہے۔ جن کے باعث محبت وجود میں آتی ہے۔ اگر بندہ اللہ کی صفات پر غور کرے تو پھر وہ دیکھے گا کہ کوئی دوسری الٰہی ذات نہیں کہ جس میں اتنی صفات یکجا ہوں۔ اس کے بعد اس احساس سے اس کی اللہ سے محبت کو تقویت پہنچے گی اور وہ اس محبت کا عملی مظاہرہ کرنے لگے گا اس محبت کی طرف قرآن پاک میں یوں اشارہ ہوا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(یعنی اگر تم اللہ سے محبّت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو (تاکہ) اللہ تم سے محبّت کرے)

اس محبت کا عملی اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ سالک اعمالِ صالح بطریقِ احسن اور صدقِ دل سے کرنے لگتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا محض عادتاً نہیں بلکہ خشوع و خضوع کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ سے محبت بڑھانے کے



Marfat.com

لئے ہوتا ہے۔ اس محبت میں اضافہ کرنے کے چند مجرب طریقے یہ ہیں۔

۱۔ روزانہ تنہائی میں اللہ اللہ ہو۔

۲۔ گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر خدائے بزرگ و برتر کی نعمتوں پر غور کیا جائے۔

۳۔ اپنے عمل کا جائزہ لیا جائے کہ باوجود اس کی کرم فرمائیوں کے ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمیں اُس کی رضا کا کس قدر خیال ہے۔

۴۔ اللہ کے چاہنے والوں کی صحبت سے فیض یاب ہوا جائے اگر بالمشافہ نہیں تو خط و کتابت کے ذریعے تاکہ نیکیوں کی طرف طبیعت مائل ہو۔

۵۔ ہر معاملہ میں اللہ کے احکامات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۶۔ قادرِ مطلق سے پابندی کے ساتھ دعا مانگی جائے کہ وہ اپنی محبت عنایت فرمائے۔ دعا اس نوعیت کی ہو تو بہتر ہے۔

" اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ جو عمل مجھ سے سرزد ہو اس میں تیری رضا شامل ہو۔"

۷۔ سونے سے پہلے اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے۔ خود سے پوچھا جائے کہ میں نے آج کون سا اچھا کام کیا اور میں اپنے عمل سے کس قدر مطمئن ہوں۔

Marfat.com

# عشق و تفویض میں کیا فرق ہے؟

Marfat.com

# عشق و تفویض

محبت کی انتہا عشق ہے اور عشقِ صادق کی خصوصیت تفویض ہے
مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اشرف المسائل میں اس تفویض کی وضاحت یوں کی ہے۔

"عشق کی حقیقت تفویض ہے کہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیجیئے۔ جس طرح چاہیں ہم میں تصرف کریں۔ تشریعاً بھی تکویناً بھی اور ہم ہر حال میں راضی ہیں یہی حقیقت ہے تفویض کی۔ تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ تدبیر کے بعد ہر تصرف حق پر راضی رہنا ہے۔

"شیطان جو مردود ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سالک محض تھا، جذب و محبت کا مادّہ بالکل نہ تھا۔ ورنہ اس بے ادبی سے اعتراض نہ کرتا، اس لئے سالک محض (خشک اہل عمل) کی حالت خطرے سے خالی نہیں۔ چاہیئے کہ جذب کا بھی مادہ پیدا کریں جس کا طریقہ کثرتِ ذکر اور صحبت اہل محبت ہے۔"

یہ عشق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لانے سے فروغ پاتا ہے اور وہ اس لئے کہ غیر اللہ سے کٹ کر بندہ اللہ اور اس کے رسول کا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تاکیداً ہمیں بتایا گیا ہے۔

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ



Marfat.com

(کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں اور نہ نقصان)

حضرت عطا بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم کو اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو سب سے بڑھ کر درجہ رکھتا ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے کیا میں تم کو اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جس کا درجہ اس (مجاہد) کے بعد سب سے زیادہ ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو بکریوں کا گلہ لے کر ایک گوشہ میں نماز پڑھتا ہے۔ خالص اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

رسول کی محبت اسی عشق کا ایک جزو ہے اگر عشاق رسول کی والہانہ کیفیت کا نظارہ کرنا ہو تو اس کے چاہنے والوں پر نظر ڈالیں۔ ایمان تازہ ہو جاتا ہے انہیں دیکھ کر۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ محبت کیا شے ہے۔ یوں تو عاشقانِ رسول ہر دور میں ہوئے ہیں اور ان کی داستانیں ہم تک پہنچی ہیں۔ لیکن کچھ کی محبت کا رنگ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان ہی میں سے ایک بزرگ کا ذکر یہاں کرتے ہیں اور وہ اس لیئے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ جب ہماری ان بزرگ سے ملاقات ہوئی تو یہ اسلام آباد جانے والی سڑک پر شکرہ پڑیاں پہاڑی کے ایک گوشہ میں قیام پذیر تھے۔ محبت اور خلوص کا جیتا جاگتا پیکر اور حضور اکرم صلعم کے اس درجہ شیدائی کہ اپنی ذات کو بالکل بھلا چکے تھے۔ باتوں باتوں میں جب میں نے ان سے ان کا نام پوچھا تو پنجابی میں یوں جواب دیا۔

"ساڈا کی ناں، ناں تے مالکاں دا، جیہڑا میرا اللہ تے رسول اے، سوہنی کملی والی سرکار"

(نام تو مالکوں کا ہوتا ہے اور مالک اللہ اور اس کا رسول ہے)



Marfat.com

اور جب سوہنی کملی والی سرکار کہا تو جذبِ محبت سے سرشار ہو کر جھوم اُٹھے۔ عشق دراصل اس کیفیت کو کہتے ہیں۔

عشق میں سوز اسی طرزِ فکر سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس سوز کے صحیح انداز سے پرورش پانے کے لئے سالک کو چاہیئے کہ وہ کسی گرمی والے کے پاس رہے۔ اور اس کی ہدایت کے بموجب عمل کرے اور یہی وہ چیز ہے جو سینہ بہ سینہ چلتی ہے۔ " یہ نہ مولوی بن کر حاصل ہوتی ہے اور نہ مورّخ"

(مولانا اشرف علی تھانوی)

عشق کی گرمی کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ یہاں اس کا تبنیہاً ذکر کر رہا ہوں ایک دفعہ لیبیا میں میرے پاس ایک عزیز دوست آئے اور بڑی تشویش کے ساتھ فرمایا کہ فلاں شخص عشق میں دیوانہ ہو گیا۔ اس کا جسم پھنک رہا ہے اور آنکھیں دہکتے انگارے ہیں۔ کھانا پینا چھوڑ کر ایک گوشہ میں بت کی طرح جامد و ساکت بیٹھا ہے۔ میں نے کہا چلو۔ دیکھا تو جو اس کی حالت کا نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ اُسے سینہ سے لپٹایا۔ پانی پلایا دلاسا دیا اور بالآخر محبت سے محبت کی آگ پر قابو پالیا۔ عشق الٰہی میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ دیوانگی کی حد تک نہ پہنچنے پائے۔ ورنہ مقصد برآری کی راہ میں دقتیں پیش آنے لگتی ہیں اور راہ سے بھٹکنے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ سالک کو جاننا چاہیئے کہ عشق کے بھی آداب ہیں اور اس کی بھی حد بندی ہوتی ہے۔ یہ سمندر موجزن تو ضرور ہے لیکن ایک معین سمت میں۔ اس کا جوار بھاٹا بجائے ساحل کی آبادیوں کو تباہ کرنے کے اپنے اندر کے نقوش باطل کو تہس نہس کرتا ہے۔ ہم جب عشقِ منزہ کی بات کرتے ہیں اس کی بدولت

۱۔ طاعت و فرمانبرداری فروغ پاتی ہے۔

۲۔ سخاوت، ایثار اور قربانی کے خصائل بیدار ہوتے ہیں۔

۳ ۔ رحم وکرم کی پرورش ہوتی ہے۔
۴ ۔ عفوو درگذر اور چشم پوشی سے انسانی کردار مرصع ہوتا ہے۔
۵ ۔ مزاج میں نرمی آتی ہے۔
۶ ۔ حلم و برداشت کی نشوونما ہوتی ہے۔
۷ ۔ انسان عاجزی اور انکساری سیکھتا ہے۔
۸ ۔ ہر وقت وہ دوسروں کی خدمت اور مدد کے لیے تیار نظر آتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کے عشق کے نتیجے میں سالک کو اللہ کی مخلوق سے بھی پیار ہوجاتا ہے وہ پھر اُن سے خدا واسطے محبت کرتا ہے۔وہ بھٹکے ہوئے اور فاسق و فاجر کو بھی سینے سے لگاتا ہے تاکہ وہ راہِ راست پر آجائے۔ وہ دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اُن کی کوتاہیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالتا ہے اور نفرت کی آگ کو پیار کے چھینٹوں سے بجھاتا ہے۔مختصراً اللہ کی مخلوق سے اُس کا لگاؤ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ ان کا خالق ہے اور ربوبیت اس کی شان ہے۔ مجھے یہاں استاد محترم مولانا ابوبکر غزنوی شہیدؒ یاد آگئے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اُن کے شاگرد نے ریل کے نیچے آکر خودکشی کی۔ اُس کے بھیجے اور جسم کے ٹکڑے ہوگئے۔لوگوں نے کہا۔ حرام موت مرا اور غسل دینے سے انکار کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی ایک ایک بوٹی کو غسل دیا اور یہ فریضہ بتقاضۂ محبت خود انجام دیا۔ کتنی اعلیٰ ارفع اور بے لوث محبت تھی اُن کی۔

یہ اس محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ جماعت بنیان مرصوص بن جاتی ہے جب درمیان میں خیرخواہی اور ہمدردی ہو تو دل جڑے رہتے ہیں۔ ایثار پروان چڑھتا ہے اور ربط باہمی فروغ پاتا ہے۔ اس دور میں اس چیز کی بڑی ضرورت ہے۔ ملتِ اسلامیہ کم علمی، کوتاہ بینی، تعصب اور مفاد پرستی کی بدولت پارہ پارہ ہوچکی ہے۔ سرد مہری کا گھن ہماری جڑوں



Marfat.com

کو کھوکھلا کیے جاتا ہے۔ پھر سے وسعت قلبی اور بے لوث محبت کو ابھارنا ہے پھر سے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا چراغ روشن کرنا ہے۔

## ایثار

محبت کے بعد ایثار و قربانی کی باری آتی ہے۔ ایثار اور قربانی محض زبانی جمع خرچ والا معاملہ نہیں ہے۔ اس کی شکلیں مختلف اور نتائج دور رس ہوتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی اور محنت کا ایثار شامل ہے۔ اگر ضرورت پڑ جائے تو جان کی بازی سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ صحابہ کے بے مثال ایثار کی متعدد مثالیں موجود ہیں سالک کا کردار اس ایثار ہی کی بدولت نکھرتا ہے۔

## صداقت

ایثار کی طرح صداقت بھی اعلیٰ اخلاق کی آئینہ دار ہے۔ صداقت ہمارے ہر عضو اور ہر فعل پر عائد ہوتی ہے۔ مثلاً ذہن و دماغ کی صداقت کا تقاضہ یہ ہے کہ حق بات سوچی جائے۔ آنکھوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بُری یا تحقیر کی نظر سے کسی کو نہ دیکھا جائے۔ کانوں پر پابندی ہے کہ ہر قسم کی برائی اور چغلی سے پرہیز کیا جائے۔ زبان سے یہ توقع کی جاتی ہے۔ کہ جھوٹ گالی اور سخت کلامی سے گریز کرے۔ حرام مال نہ کھایا جائے۔ غرضیکہ ہر عضو پر پابندیاں ہیں۔ یہ قدغن محض کردار کی اصلاح کے لیے ہے۔ جب ہر عضو کا عمل صالح ہو جائے تو فرد کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔

## تزکیۂ نفس اور ناپسندیدہ خصائل

تزکیۂ نفس کو راہِ سلوک میں بڑا اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ بقول ابن عمرؓ مومن کی مثال ایک سایہ دار درخت کی ہے کہ اس کی پتیاں جھڑتی ہیں اور نہ اس کا سایہ غائب ہوتا ہے۔ لہٰذا ناپسندیدہ خصائل سے سالک کا اجتناب ضروری ہے۔



Marfat.com

## غصہ

اس سلسلہ میں جس چیز سے سب سے زیادہ بچنا چاہیئے وہ غصہ ہے ۔ یہ محبت کی نفی کرتا ہے اور انسان کی سمجھ اور اس کی بردباری پر بُرا اثر ڈالتا ہے ۔ اس جذبہ کے زیرِ اثر انسان بہت سے ایسے کام کر گزرتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہوتے اور جن کے نتیجہ میں اُسے خفت اٹھانی پڑتی ہے ۔ پھر ایک دفعہ اگر کسی کے جذبات مجروح ہو جائیں یا اس کی بے عزتی ہو جائے تو وہ مشکل سے ہی قریب آتا ہے ۔ خوش خلقی کی راہ میں غصہ سے زیادہ اور کوئی چیز حائل نہیں ۔ غصہ کرنے سے پہلے اگر انسان اس بات پر غور کرے کہ اس سے کیا حاصل ہوگا تو اس منفی عمل سے بچا جا سکتا ہے ۔ حضور پاک ﷺ نے غصہ پر قابو پانے کی تلقین کی ہے ۔ آپ نے فرمایا " پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑتا ہے ۔ بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھتا ہے ۔ (ابوہریرہ رضؓ)

## نفرت

غصہ کی طرح نفرت بھی ایک بُری خصلت ہے ۔ محبت کی اس سے کاٹ ہوتی ہے اور بدگمانی اس سے پرورش پاتی ہے ۔ جب ہم کسی سے نفرت کرنے لگ جائیں تو پھر ہمیں اس کی ہر بات بُری نظر آتی ہے اور اُس کے ہر فعل کو ہم شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اندر ہی اندر جلتے رہتے ہیں ۔ اور بجائے لوگوں کے قریب آنے کے اُن سے دُور ہوتے جاتے ہیں ۔ کیا ہمارے لیے یہ بات جائز ہے ؟ جو اللہ سے محبت کرے بھلا وہ کس طرح اُس کے بندوں سے کترا سکتا ہے ۔ نفرت کی نفی کرنے کے لیے ہمیں اللہ کے رحیم و کریم ہونے کا خیال کرنا چاہیئے ۔ اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر نظر رکھنی چاہیئے ۔ کیا ہماری بندگی کا تقاضہ یہ نہیں کہ اپنوں کا تو ذکر ہی کیا، غیر کے



Marfat.com

لئے بھی کوئی بُری بات نہ سوچیں اور دل میں نفرتوں کو جگہ دینے سے پہلے خود اپنے اعمال کا جائزہ لیں ۔

## ایفائے عہد

وعدہ کا پاس بھی ایک اعلیٰ خوبی ہے۔ اس کے ذریعے آپس کا اعتماد بڑھتا ہے ۔ انسان کی شخصیّت بلند ہوتی ہے۔ احساسِ ذمہ داری ترقی پاتا ہے۔ معاملات دنیا میں ستھرائی آتی ہے اور فرد کے ذاتی احترام میں اضافہ ہوتا ہے ۔ ایفائے عہد ہمارے پیارے رسول ؐ کی ایک امتیازی خصوصیت تھی حضرت عبداللہ بن ابی الحماد رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بعثت سے پہلے اُنہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی جس کی کچھ رقم ادا کرنا باقی رہ گئی ۔ اُنہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اُسی جگہ اس رقم کو لے کر آتے ہیں مگر وہ ایسا کرنا بھول گئے ۔تین دن بعد انہیں اپنا وعدہ یاد آیا ۔ دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اسی جگہ تشریف فرما ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ” تم نے مجھے بہت مشقت میں ڈالا ۔تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں “

## تجسسِ اعمال

سالک کو کسی کے اعمال کی کھوج لگانے سے گریز کرنا چاہیئے۔ یہ گناہِ کبیرہ ہے ۔ اس سے ہمارا کیا سروکار کہ کون کیا کھاتا ہے ، کیا پہنتا ہے کس سے ملتا ہے۔ کس قسم کی باتیں کرتا ہے ۔ہم تو بس اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں اور ان ہی پر ہمیں اپنی نظر رکھنی چاہیئے لیکن افسوس کہ ماحول کچھ ایسا خراب ہوگیا ہے کہ ہم پڑوسیوں اور محلہ والوں کی زیادہ خبر رکھتے ہیں اور ان کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لینا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں ۔عموماً یہی بے جا تجسّس جھگڑے فساد کا باعث بنتا ہے ۔



Marfat.com

## غیبت

ایک اور مذموم عادت جس نے معاشرے میں ابتری پھیلا رکھی ہے وہ غیبت ہے یعنی لوگوں کے پیٹھ پیچھے برائی کرنا۔ جب بھی دو آدمی مل کر بیٹھتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی کی برائی شروع ہو جاتی ہے اس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ ہمارا اخلاق خراب ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ جب بات اس تک پہنچتی ہے کہ جس کی برائی کی گئی ہو تو جھگڑا فساد شروع ہو جاتا ہے۔ اور آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ بس ذرا سی بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو سختی سے منع کیا ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

(یعنی دوسروں کے عیب نہ ڈھونڈو اور (اگر کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو) بیان نہ کرتے پھرو)

ظفرؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیئے گا چاہے جتنا ہو وہ فہیم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

غیبت کو زنا سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے اور وہ اس لئے کہ اس سے معاشرہ میں انتشار پھیلتا ہے۔

حدیث پاکؐ ہے۔

اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا

(غیبت زنا سے سخت تر ہے۔)

یہ غیبت اس وقت بہتان کی شکل اختیار کر لیتی ہے جب کسی کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہی جائے جو اس میں نہ ہو۔

## بدگمانی

سالک کو کسی کے بارے میں بُرا خیال کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیئے۔ اس سے



Marfat.com

بے وجہ بدگمانیاں بڑھتی ہیں اور ہم بیٹھے بٹھائے دل آزردہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جب ایک کی طرف سے بدگمانی بیٹھ جائے تو اس کا ہر عمل چاہے وہ نیک خواہی کا نتیجہ کیوں نہ ہو۔ شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اس لیے بعض صورتوں میں بدگمانی گناہ بن جاتی ہے۔ دل کا حال تو خدا جانتا ہے۔ پھر ہم اس ٹوہ میں کیوں رہیں اور کیوں اپنے ذہن کو پراگندہ خیالات سے زیر بار کریں۔

## مجاہدہ

مجاہدہ کے معنی ہیں کوشش کے، بالخصوص اُس کوشش کے جو حق کی رضا کی خاطر نفس کی، جانی و مالی اور جاہی خواہشات و مرغوبات کو مغلوب کرنے کے لئے کی جائے۔ قرآن پاک میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(اور جن لوگوں نے کوشش کی ہم اُن کو اپنے راستے دکھا دیں گے۔)

مجاہدہ کی تکمیل کے دو درجے ہیں ایک تجلیہ اور دوسرا تخلیہ، تجلیہ کے معنی لغت میں آراستہ کرنے کے ہیں اور صوفیہ کی اصطلاح میں اس سے مراد سالک کا اپنی ذات کو اچھے اخلاق اور تعلق مع اللہ سے آراستہ کرنا ہے اور اس کی قبولی طاعت اور ذکر کے ذریعہ ہوتی ہے تخلیہ میں جس کے لغوی معنی خالی کرنے کے، جس میں سالک اپنے آپ کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرکے غیر اللہ سے تعلق منقطع کرتا ہے۔ مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں (۱)

اس جہاد کے پانچ مرتبے ہیں۔ حضور پاک صلعم نے جہاد بالنفس کو

---

(۱) بصائرِ حکیم الامت مولفہ ڈاکٹر محمد عبدالحئی

سب سے اعلیٰ درجہ کا جہاد قرار دیا ہے۔ مگر نفس کے خلاف جہاد اُسی صورت میں بامقصد ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس سعی میں نفس کے کن مطالبات کی مخالفت جائز اور کن کی ناجائز ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں۔

"نفس کے مطالبات دو قسم کے ہیں، حقوق اور حظوظ۔ حقوق وہ جن سے قوام بدن اور بقائے حیات ہے اور حظوظ وہ جو ان سے زائد ہوں۔ پس مجاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق کو باقی رکھے اور حظوظ کو فانی کرے۔"

بدقسمتی سے جوگی، اشراقی اور ہمارے دور کے بہت سے صوفی منش حضرات اس فرق کو نہیں سمجھتے اور نفس کے حقوق کو بھی فنا کر دینے کے درپے نظر آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نفس کی جس قدر مخالفت ہو گی اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا۔ اُن میں سے بعض اپنے اعضاء سکھاتے ہیں۔ بعض اپنے اوپر گوشت حرام کر لیتے ہیں۔ بعض چارپائی پر سونے سے گریز کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ایوب ملنگ برسوں سوا من لوہا پہنتے رہے کہ اُن کے مرشد کا حکم یونہی تھا۔ بہت سے پیروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے مریدوں سے چھ چھ ماہ کے روزے رکھواتے ہیں۔ سقے اور بھنگی کا کام کرواتے ہیں۔ بھیک مانگنے کا حکم دیتے ہیں۔ لمبے لمبے سفر کرواتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مشقتیں ناجائز ہیں وہ اس لئے کہ ان سے نفس کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے اور ان کا شمار حظوظ میں نہیں ہوتا۔ یہ بات ناجائز اور نہ ایسا کرنے سے مقصد برآری ممکن ہے۔

نفس کے حقوق کا ادا کرنا شریعت کی رو سے ضروری ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا حوالہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ آنحضرت صلعم کے صحابیوں میں سے ایک ابو درداءؓ تھے جو رات کو جاگتے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے اُن کو اس سے روکا۔ بات رسول پاکؐ تک پہنچی۔ آپؐ نے فرمایا کہ

سلمانؓ سچ کہتے ہیں اور یہ ارشاد ہوا

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا

(یعنی بے شک تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے شخص کو رسول اللہؐ نے دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہا ہے۔ دریافت فرمایا کہ کیا ہے عرض کیا کہ اسی طرح چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فی الحقیقت اللہ کو اس قسم کی نفس کشی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے کہو کہ سواری پر چلے۔

تصوف کی دنیا میں چار مجاہدے عام ہیں۔

۱۔ قلت طعام ۲۔ قلت منام

۳۔ قلت کلام ۴۔ قلتِ خلط مع الانام

یعنی کم کھانا، کم سونا، کم گفتگو کرنا اور کم لوگوں سے ملنا جلنا۔ لیکن اس معاملہ میں راہِ اقتصاد یعنی (میانہ روی) اختیار کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ ہمارے کم کھانے، کم سونے سے اللہ بے نیاز ہے۔ البتہ ہماری پرہیزگاری، ہمارا تقویٰ، ہمارا خشوع و خضوع ہمارے کام آتا ہے۔ ہمارے مجاہدوں کی اللہ کو چنداں حاجت نہیں وہ چاہے تو بغیر ان کے اپنے بندوں کو اپنی عنایات سے نواز سکتا ہے اور جب چاہتا ہے تو نوازتا بھی ہے۔ لہٰذا ان کو شرائط کا درجہ دینا ٹھیک نہیں۔ کسی مرشد کی بزرگی کا اظہار اس طرح کرنا کہ صاحب ان کی کیا بات تھی۔ یوں معتکف ہو کر اپنی خانقاہ میں بیٹھے کہ وہاں سے اُن کا جنازہ ہی نکلا۔ صاحبِ نظر کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ سنت کے خلاف ہے اور رہبانیت کے قریب۔ مجاہدہ کے تین طریقے مسنون ہیں۔

۱۔ قطع ماسوای اللہ (۲) تسلیم و رضا (۳) غصہ اور نفرت کی نفی۔

# کیا قطع ماسوی اللہ زندگی سے فرار کا مترادف ہے

Marfat.com

# قطع ماسوی اللہ

قطع ماسویٰ اللہ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ سوائے اللہ کے ہر چیز سے تعلق منقطع کر لیا جائے لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں ہے جو بظاہر نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے زیادہ تر جوگی منش صوفی یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دنیا چھوڑ کر خانقاہ یا کسی غار میں جا بیٹھنا قطع ماسویٰ اللہ کے مترادف ہے۔ بعضے بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ فلاں ملنگ نے ۲۰ سال کی عمر میں جو لنگوٹ باندھا تو وہ کبھی نہ کھلا بس بال بچے اور گھر بار چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھا اور آج تک وہیں نظر آتا ہے۔ دورانِ سفر اس قسم کے بزرگوں سے ہماری ملاقات ہوئی ہے اور ہم نے ان کی روحانیت کو بھی محسوس کیا ہے ہے۔ لیکن یہ طریقہ اسلامی نہیں ہے۔ اسلام کا طریقہ وہ ہے جو اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے۔ جس میں مخاطب خود حضور پاکؐ کی ذات ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ط

(یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جا)

یہاں ذکر سے مراد پاسِ انفاس اور نفی و اثبات ہے اور یہیں سے سلوک کی ابتدا ہوتی ہے۔ سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جانے سے مراد

اللہ کی محبت میں وہ طرزِ زندگی بسر کرنا ہے جس کا اظہار حضور پاکؐ کی ذات بابرکات سے ہوا جو اس آیت کے مخاطب تھے۔ انہوں نے اللہ کی خاطر اس دنیا کو کبھی خیر باد نہیں کیا اور نہ ہی بال بچوں سے علیحدگی اختیار کی۔ البتہ اللہ سے محبت کا جو طریقہ اپنایا وہ یہ کہ اس دنیا میں رہ کر ہر وقت اور ہر لمحہ اس کو یاد رکھا اور اس کی محبت کو ہر دوسری چیز کی محبت پر مقدم گردانا۔ یہی طریقہ ہمارے لیے مسنون ہے۔ بحیثیت معاشرہ کے فرد کے ہم پر بہت ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جو حقوق العباد کے زمرہ میں آتی ہیں۔ ان کی ادائیگی ہم پر واجب ہے لیکن اس طرح کہ یہ فریضہ بھی ادا ہو جائے اور اللہ کی طرف سے دھیان بھی نہ ہٹے۔ ظاہر ہے یہ بات ایک دن میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لئے پیہم کوشش کی ضرورت ہے اور اس چیز کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے کہ غم و خوشی، تکلیف و راحت سب اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ لہٰذا بندہ کو ہر حال میں قناعت کرنا چاہیئے اور اللہ سے لو لگانی چاہیئے۔ اس کا طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ذراسی بھی مرضی کے خلاف بات گذری نہیں کہ اللہ سے روٹھ بیٹھے اور عبادت سے منہ موڑ لیا۔

صحیح مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے جو پہلے نفس سے لڑے اور اُسے قابو میں لائے۔ حقیقتاً مجاہدہ کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ حدیث پاک اس بات کی گواہی دیتی ہے۔

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ

"حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں کشمکش کرے۔"

نفس کے مطیع کرنے کے بعد دوسرا درجہ ہجرت کا ہے۔ یہاں ہجرت سے مراد گھر بار چھوڑنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مدعا خدا کی نافرمانی سے



Marfat.com

بھاگ کر خدا کی رضا جوئی کی طرف آنا ہے کسی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

مَا الْهِجْرَةُ اَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

(یا رسول اللہؐ کون سی ہجرت افضل ہے)

جواب ملا اِنَّ الْهِجْرَةَ مَا كَرِهَهُ رَبُّكَ

(یہ کہ تو ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ کو ناپسند ہیں)

پس معلوم ہوا کہ اپنے نفس کو مسلمان بنانا صحیح جہاد ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو انسان اس گھوڑے کی طرح ہو جاتا ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہو۔ لاکھ ہلے جُلے اپنی حد سے باہر نہیں جاتا۔ اس پر کچھ بھی گزر جائے اس کا احساس بندگی ہمیشہ بیدار، دامن کش اور دل پذیر رہتا ہے

## تسلیم و رضا

قضائے الٰہی پر اعتراض نہ کرنے کو رضا کہتے ہیں۔ یہ اعتراض نہ زبان سے ہونا چاہیئے اور نہ دل سے، بالکل اسی طرح جیسے ایک طبیب پینے کو تلخ دوا دے اور ہم اُسے نہ صرف بغیر اعتراض کے پی لیں بلکہ اُس کا شکریہ بھی ادا کریں۔ اس طرزِ فکر کی وضاحت نصِ قرآنی سے اس طرح ہوئی ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کی یہ حدیث بھی نظر میں رہنی چاہیئے۔

آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اِس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ

قطع ماسوی اللہ کی بدولت تسلیم و رضا کی خو پیدا ہوتی ہے ابتداً یہ کام بہت



Marfat.com

دشوار ہے۔ لیکن جب انسان اللہ کی طرف جھکنے لگے تو از خود ذات کا خیال رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے۔ پھر وہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ عین اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے بلکہ جو کچھ بھی اس پر گذرتی ہے اسے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتا ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ تسلیم و رضا کی یہ انتہا عبدیت ہے۔ اور سلوک میں یہ درجہ بہت بلند تصور کیا جاتا ہے۔ سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے منقول ہے۔ " میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اسلام سے متعلق ایسی بات بتلایئے جو میرے لئے کافی ہو اور کچھ اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم کہو کہ میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُس پر قائم ہوں۔

ویسے غور کیا جائے تو بندے کا بتقاضۂ بندگی شروع ہی سے یہی طرز فکر ہونا چاہیئے۔ لیکن اُس کی خود غرضی، کوتاہ بینی اور ناسمجھی اسے اس ڈگر پر سوچنے نہیں دیتی۔ جب بھی کوئی بات خلافِ طبیعت گذرتی ہے، اسے کوئی گزند پہنچتا ہے یا دھکا لگتا ہے تو فوراً اپنا مقابلہ دوسرے انسانوں سے کرنے لگ جاتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص شرابی ہے، جواری ہے، راشی ہے، ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتا، پڑوسیوں کو ستاتا ہے اور میں پابندی سے نماز پڑھتا ہوں، بُرے کاموں سے بچتا ہوں، دوسروں کے کام آتا ہوں لیکن پھر بھی مجھ پر ہر روز کوئی نہ کوئی مصیبت آن پڑتی ہے۔ بھلا یہ کوئی انصاف ہے۔ چونکہ وہ دنیاوی نفع و نقصان کے انداز سے سوچتا ہے۔ وہ بعض اوقات کبیدہ خاطر ہو کر نماز پڑھنا چھوڑ دیتا ہے گویا نعوذ باللہ اُس کے خالق کو اس کی مرضی کے مطابق چلنا چاہیئے تھا نہ کہ اُس کو اللہ کی مرضی کے مطابق۔ اللہ ہمیں ایسی سوچ سے بچائے رکھے۔ ہم تو اس کے



Marfat.com

کرم کے محتاج ہیں۔ اس کے در کے بھکاری ہیں۔ اس کی عنایت ہماری ضرورت ہے۔ وہ بے نیاز ہے، اسے ہماری عبادت کی حاجت نہیں ورنہ اس کے یہاں طاعت کے لیئے کروبیاں کچھ کم نہ تھے۔

ہم جو خود کو مجاہد کہتے ہیں اور حضور پاکؐ کے امتی ہونے پر فخر کرتے ہیں، کس طرح غصہ اور نفرت کو اپنے کردار کا زیور بنا کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ چونکہ غصہ اور نفرت دونوں انسان کی فطرت میں داخل ہیں ہماری مقصد برآری صرف ان کا رُخ بدل کر ممکن ہے۔ مثلاً بجائے دوسروں کو نفرت کا نشانہ بنانے کے اپنی بُری عادتوں سے نفرت اور اپنی کوتاہیوں پر غصہ۔ ان کے وقتی زور کو کم کرنے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ جب ہمیں غصہ آئے یا ہم پر نفرت کا غلبہ ہو تو ہم پاسِ انفاس کرنے لگ جائیں یا کچھ نوافل پڑھ ڈالیں۔ انشاءاللہ جونہی اللہ کی طرف رُخ ہوگا ان مذموم خصائل کا زور گھٹ جائے گا۔

## فکرِ آخرت

گو دورِ جدید کے صوفیوں نے اس کا ذکر کم ہے۔ لیکن مجاہدہ میں اس کا شمار کرنا ناگزیر ہے۔ جب تک سالک کو آخرت اور محاسبہ کا خیال دامن گیر نہ ہو تو وہ جذب و دیگر کیفیات کے زیرِ اثر گا ہے لگا ہے خود کو بھول سکتا ہے اور اس کے بھٹکنے کا امکان رہتا ہے۔ یہی وہ فکرِ آخرت ہے جو اس کی تیز روی یا کجروی میں بریک کا کام دیتی ہے تاکہ گاڑی مستقل راہِ مستقیم پر چلتی رہے۔ یہ سمجھنا کہ مرشد اپنے مرید کا بیڑا پار لگا دے گا چاہے وہ جو بھی کر گزرے محض نادانی ہے۔ پیری کوئی ٹھیکیداری یا چودھراہٹ نہیں یہ تو بس ایک باہنر اور متقی انسان کی قیادت ہے جو ایک راہی کو منزل کے نشیب و فراز سے آگاہ کر کے اس کے لئے آسانیاں



Marfat.com

فراہم کرتی ہے۔ باقی سارا کام راہی کا ہے، وہ اپنی کوشش کا پھل باندازۂ کرم کردگار پاتا ہے۔ البتہ اس عمل میں نیکوں کی صحبت اور دعائیں ضروری معاون ثابت ہوتی ہیں۔

## دیدارِ الٰہی

اس بارے میں کہ بندہ اللہ کو دیکھ سکتا ہے علماء اور صوفی حضرات میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے تو دو باتیں سامنے آتی ہیں سے اوّل موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ ہے۔ جس میں اللہ سے باتیں کرنے والے پیغمبر اس بات کی ضد کرتے ہیں کہ ان کو وہ اپنا جلوہ دکھا دے۔ جواب ملتا ہے۔ لن ترانی یعنی اے موسیٰؑ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ جب حضرت موسیٰؑ کا اصرار بڑھتا ہے تو ہدایت ہوتی ہے۔ پہلے تم کوہِ طور کو دیکھو جس کو ہم اپنے جلوہ کی ایک جھلک دکھاتے ہیں اگر وہ اس کو برداشت کر لے گا تو یقیناً تم ہمارا جلوہ دیکھ سکتے ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی جھلک دکھاتے ہیں اور کوہِ طور جل کر خاک ہو جاتا ہے اور موسیٰؑ بے ہوش کہ تاب نظارہ نہ لا سکے۔

اس سلسلہ میں دوسرا ذکر ہمارے رسول صلعم کا ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں عرش پر لے جایا گیا اور کس طرح خدائے بزرگ و برتر نے انہیں شرفِ دیدار بخشا۔ بہر حال یہ معراج درحقیقت بشریت کی معراج تھی اور اس طرح یہ بتانا مقصود تھا۔ کہ اگر بندہ اپنا حقِ بندگی ادا کرے اور اس کا جینا مرنا، اٹھنا، بیٹھنا سب کچھ اللہ کے لیئے ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے قرب سے نوازتا ہے۔ شبِ قدر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات کے مطابق رسول پاک صلعم نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ دیکھنا عینی تھا یا قلبی اس بارے میں اختلاف رائے ہے لیکن دیدار ہونے

کے بارے میں اتفاق ہے۔

دیدارِ الٰہی کے بارے میں سب سے سخت نفی میں اظہار مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہمارے یہاں ایک بڑے گروہ کے نزدیک تزکیۂ نفس کا مقصد یہ رہا ہے کہ اس کی زندگی میں مشاہدۂ حق نصیب ہو جائے اور ایمان بالغیب کے مقام سے ترقی کر کے ایمان بالشہادت کی دولت حاصل ہو جائے۔ ظاہر نظر میں یہ ایک بلند ترین اور پاکیزہ ترین مقصد ہے لیکن قرآن نے کہیں ہم کو یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم اسے مقصود قرار دے کر اپنی کوشش اس راہ میں صرف کریں بلکہ اس کے برعکس اگر ہم بطور خود اسے مقصود قرار دے بھی لیں تو قرآن ہمیں یقین دلاتا ہے کہ گوہر مقصود اس زندگی میں نبیؐ کے سوا کسی کے ہاتھ نہیں آسکتا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ ۝

(یعنی حقائق غیب کا جاننے والا اللہ ہے) اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، بجز اس کے رسولؐ کے جس کو اس نے خود منتخب کیا ہو، پھر وہ اس کے آگے اور پیچھے نگرانی کرنے والے فرشتے لگا دیتا ہے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے۔

( ترجمان القرآن جولائی اگست ۱۹۵۳ء )

جناب حاجی بہادر صاحب جو صوبہ سرحد کے چند بزرگوں میں سے ہیں



Marfat.com

کوہاٹ میں مدفون ہیں اور جنہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ پایا۔ ان کے بارے میں تاریخ کوہاٹ میں ذکر ہے کہ ایک دفعہ شہنشاہ وقت نے انہیں ملاقات کی دعوت دی۔ آپ نے اسے قبول فرمایا اور دین کی تبلیغ کی خاطر دہلی کا رُخ کیا۔

بادشاہ نے جب سُنا کہ آپ تشریف لائے ہیں تو وہ بھی استقبال کو چل پڑا۔ بڑے تپاک سے ملا۔ پھر دینی مسائل پر بحث و مباحثہ ہوا۔ اس نے سوال کیا۔ کیا بندہ اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے۔ جواب ملا، ہاں۔ اگر تابِ نظارہ ہو۔ فرمایا ایک پیپل کا پتہ لاؤ۔ اس کی انہوں نے کیپ بنائی اور اس سے پانی ٹپکانا شروع کیا۔ پھر کہا "اگر تم ان قطروں کو دیکھ سکتے ہو تو ضرور نہیں اللہ کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے بادشاہ نے جوان پر نظر ڈالی تو بے ہوش ہو گیا۔ پھر جب ہوش آیا تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی سلطنت میں ایسے ایسے بزرگ موجود ہیں۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ جو دَورِ حاضر کے چوٹی کے بزرگوں میں سے تھے اور جنہوں نے تصوف پر بہت سی مستند کتابیں لکھیں۔ اُنہوں نے اپنی تصنیف "تعمیرِ ملت" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ خود راقم الحروف کو بھی اس سے اتفاق ہے کہ دیدار الٰہی ممکن ہے۔ البتہ یہ بات اور ہے کہ یہ دیدار کس شکل میں نصیب ہوتا ہے۔ اگر تذکروں کا مطالعہ کیا جائے تو اور بھی بہت سے بزرگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ انسان کو اللہ کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے۔ البتہ اللہ کی کرم فرمائی اپنی جگہ ہے اور بندہ کی کوشش اپنی جگہ۔

## فیض پہنچنا

صوفیائے کرام کے یہاں فیض پہنچنے سے مراد روحانی فیض کے پہنچنے کی ہوتی



Marfat.com

ہے ۔ یہ فیض ایک جیتی جاگتی قوت ہے جو قلب کو جگا دیتی ہے اور سوئی ہوئی روح کو زندہ و بیدار کر دیتی ہے ۔ اس میں بجلی کے کرنٹ جیسی قوت ہوتی ہے ۔ اس کی طاقت کا صحیح ادراک صرف فیض دینے اور فیض لینے والے ہی کو ہوتا ہے ۔ یہ فیض انسانوں سے بھی پہنچ سکتا ہے اور خانقاہوں، عبادت گاہوں اور مزاروں سے بھی ۔ اس بارے میں بھی بعض علماء اور صوفیہ اختلافی باتیں کہتے ہیں ۔ بہر حال یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر سالک کے قلب میں دین رچ بس جاتا ہے ۔ یہی اثر ان بزرگوں کی کتابوں کے مطالعہ کا ہے بشرطیکہ قاری کے دل میں لگن ہو، توجہ ہو اور غور و فکر کا رجحان ۔ رہا سوال اس کا کہ کون کس سے کیا پاتا ہے تو یہ عجیب و غریب مسئلہ ہے ۔ جس طرح کسی بھکاری کو ہر در سے اس کا مدعا نہیں ملتا ۔ یہی حال فیض کا ہے یہ اللہ کا کرم ہے کہ کس کو کس سے مل جائے جہاں سے قسمت میں لکھا ہوتا ہے اور جتنا لکھا ہوتا ہے وہ مل جاتا ہے ۔ ہر بزرگ نے اس حقیقت کا اپنی تحریروں میں اظہار کیا ہے راقم الحروف کا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے ۔ بعض اوقات تو اس معاملہ میں ایسی کرم فرمائی ہوتی ہے کہ طالب خود نہیں جاتا بلکہ اس کا حصہ اس تک پہنچا دیا جاتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان کوشش چھوڑ دے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہے ۔ یہ بات ضرور ہے کہ کرم فرماؤں سے بعض ملاقاتیں اس طرح غیر متوقع ہوتی ہیں کہ جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا مثلاً ۱۵ جون ۱۹۷۵ء میں مسجد نبوی میں روضہ اطہر کے سرہانے بیٹھا نفی اثبات کر رہا تھا کہ ایک بزرگ نے اس زور سے میرا ہاتھ دبایا کہ میں چونک پڑا ۔ پھر سبحان اللہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے مخاطب ہوئے ۔ یہ بزرگ محمد امین تھے جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے ۔ اُنہوں نے عربی



Marfat.com

میں خطاب فرمایا اور اپنی روحانیت سے فیض یاب کیا۔ منٹوں میں جدا ہو گئے اور پھر کبھی نظر نہیں آئے۔

یقیناً خانقاہوں اور عبادت گاہوں سے بھی فیض حاصل ہوتا ہے بیشتر صوفیائے کرام نے بزرگوں کے مزاروں پر گوشہ نشین ہو کر چلے کھینچے ہیں، عبادت میں وقت گزارا ہے اور روحانی فیض حاصل کیا ہے ذاتی مشاہدہ بھی یہی ہے۔

جاٹ گام میں ایک حجرہ ہے جہاں حضرت بایزید بسطامیؒ نے بیٹھ کر عبادت کی تھی۔ وہاں سے راقم الحروف کو بڑا فیض پہنچا لیکن اس بات کا جواز نہیں کہ بزرگوں کے روضوں پر منت مرادیں مانگی جائیں۔ یہ تو سراسر شرک ہے۔ حاجت روا صرف اللہ کی ذات ہے۔ البتہ وہاں روح پرور ماحول اور اس جگہ کی نور توحید سے وابستگی سوزِ دروں رکھنے والوں کو ضرور متاثر کرتی ہے۔ ورنہ بے جان پتھروں میں کسی کے دینے کے لئے کیا رکھا ہے۔

اس فیض کے سلسلہ میں حضرت بابا گنج شکرؒ کے ذاتی مشاہدہ کا تذکرہ بعد از دلچسپی نہ ہو۔ راحت القلوب (ملفوظات خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ) میں یوں رقم ہے۔

حضرت بابا گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کچھ عرصہ خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہ کے روضہ میں معتکف رہا۔ عرفہ کی رات روضۂ مبارک کے نزدیک نماز ادا کی اور وہیں کلام اللہ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی رات گزری تھی کہ میں نے پندرہ سیپارے ختم کر لیئے۔ سورۃ کہف یا سورۂ مریم میں ایک حرف مجھ سے ترک ہو گیا۔ حضرت مخدوم کے روضہ سے آواز آئی کہ یہ حرف چھوڑ گئے اسے پڑھو۔ دوبارہ آواز آئی



Marfat.com

عمدہ پڑھتا ہے۔ خلف الرشید ایسا ہی کرتے ہیں۔

جب میں قرآن پڑھ چکا تو حضرت خواجہ کی پائینتی پر سر رکھ دیا اور رو کے مناجات کی کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کس گروہ سے ہوں یہی فکر تھی کہ روضۂ اطہر سے آواز آئی کہ مولانا جو شخص یہ نماز ادا کرتا ہے وہ بخشے ہوؤں میں سے ہے۔ پھر حضرت خواجہ کے قدموں کی طرف سر رکھ دیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک میں اس گروہ میں سے ہوں جیسا کہ فرمایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہاں سے بہت سی نعمت حاصل کر کے اٹھا۔



Marfat.com

# سالک کو کن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

# راہ سلوک کی رکاوٹیں

## طلب کی خامی اور کمی

سلوک کی راہ طے کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ قدم قدم پر مشکلات اور لحظہ لحظہ نئی نئی دشواریاں رونما ہوتی ہیں۔ امتحانوں کا سلسلہ لامتناہی نظر آتا ہے۔ صبر کو آزمایا جاتا ہے۔ ہمت کو للکارا جاتا ہے۔ ابتدائی کوشش بظاہر لاحاصل دکھائی دیتی ہیں۔ ترقی برائے نام محسوس ہوتی ہے۔ روح کو سکون نہیں ملتا۔ طبیعت میں اس قدر جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے کہ بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر بیٹھ جایا جائے۔ لہٰذا اگر طلب صادق نہ ہو تو ہمت اور حوصلہ جلد ہار مان لیتے ہیں۔ سالک کو ہمہ وقت اللہ سے لو لگائے رکھنا چاہیئے اور اس کی محبت کا سہارا لینا چاہیئے۔ اگر یہ روش اختیار کی جائے تو ہر مشکل پر قابو پایا جاسکے گا اور کسی منزل پر بھی آسودگی آگے بڑھنے میں مانع نہ آئے گی۔

## عقیدت کی ناپختگی

سلوک میں عقیدت کی بڑی اہمیت ہے۔ پہلے عقیدت آنحضورؐ کی ذات پاک سے ہونی چاہیئے کہ وہی ہمارے نور ہدایت کا سرچشمہ ہیں اس سے ہم تک اللہ کا کلام پہنچا اور ان کی ذات سے اس کی صحیح پیروی کا اظہار ہوا۔ ہمارا ان سے لگاؤ والہانہ قسم کا ہونا چاہیئے اور ہمیں حدیث اور سنت کا اتباع اس انداز سے کرنا چاہیئے کہ احترام، محبت اور سپردگی ملحوظِ خاطر رہے۔ اس کے بعد سب سے



Marfat.com

زیادہ عقیدت اپنے شیخ یا مرشد سے ہونی چاہیئے۔ اس کا ہر حکم اگر قرآن و سنّت کے خلاف نہ ہو (جو ایک مرشد کامل کے یہاں ناممکنات میں سے ہے) بغیر محبت کے من وعن بجالانا چاہیئے۔ اگر اس کے بارے میں کسی قسم کی برائی ہو رہی ہو تو اس کے سُننے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اس کے خلاف سُنی سنائی باتوں کے سبب اپنے ذہن میں کسی قسم کے شک و شبہ کو جگہ نہیں دینا چاہیئے۔ اس کے سامنے ہمیشہ دبی آواز میں بولنا چاہیئے۔ اور ادب کا خیال رکھنا چاہیئے۔

## ماحول کی ناسازگاری

کوشش کرنا چاہیئے کہ ماحول سے عبادت، فکر اور ذکر کے لئے سازگار ہو۔ اگر گھر، محلّہ یا علاقہ کے انتخاب میں دشواری نہ ہو تو ایسی جگہ پسند کرنی چاہیئے جہاں شور وغل کم ہو اور لوگوں کے آنے جانے کا تانتا نہ بندھا ہوا ہو۔ اس صورت میں کہ جگہ کی تبدیلی ناممکن ہو تو قریب کی مسجد کو عبادت اور ذکر کے لئے مخصوص کرنا چاہیئے۔ احباب کے انتخاب کے بارے میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ ظاہر ہے اگر دوست نماز، روزے کے پابند اور اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے تو ان کی صحبت میں بیٹھ کر باتیں بھی ہوں گی تو اللہ رسول کی اور وقت خرافات میں گذرنے سے محفوظ رہے گا۔ دراصل انسان پر صحبت کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ جہاں لوگ غیبت کریں، گند اچھالیں، گھٹیا مذاق سے دل بہلائیں اور زنا اور اغوا جیسی معیوب باتوں کی خبروں میں دلچسپی لیں وہاں کب تک کوئی انسان ان کے مضر اثرات سے بچ سکتا ہے۔

## عسرت، غربت اور بیماری

راہِ سلوک میں عسرت اور غربت بھی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ تاوقتیکہ ان کا سدِّباب نہ کیا جائے۔ جب انسان بھوک سے نڈھال ہو اور فاقوں پر نوبت آئے تو عام حالات میں عبادت



Marfat.com

میں کیوں کر دل لگ سکتا ہے۔ اس کا مداوا یہ ہے کہ انسان اپنی سے بدتر حالت والوں پر نظر ڈالے۔ وہ دیکھے گا کہ بہت سے لوگ اس سے بھی زیادہ خستہ حال ہیں۔ اس کی حوصلہ افزائی کے لئے حضور پاکؐ کی زندگی اُس کی نظر میں ہونی چاہیئے۔ ان پر کیسی کیسی مصیبتیں پڑیں انہیں کس قدر تنگی اور افلاس کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر اس کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو آپ ان کی سوانح حیات کا مطالعہ فرمائیں۔ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا، پے درپے فاقے ہوتے لیکن عبادات و فرائض کی ادائیگی کا سلسلہ جوں کا توں چلتا۔ اصحابِ صفہؓ کا بھی یہی حال تھا۔ پھر بھی ان مجاہدوں کے پائے استقامت کو بھی جنبش نہ ہوئی قناعت کو اُنہوں نے اپنا زیور بنایا اور صبر سے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اُن کی صعوبتوں میں نماز ان کا مستحکم سہارا بنی رہی۔ نقاہت، کمزوری اور بیماری میں بجائے ہمت ہارنے کے اُنہوں نے یہ سوچ کر حوصلہ سے کام کیا کہ اصلاح ہو رہی ہے اور گناہ دھل رہے ہیں۔ زندگی کب ایک سی رہتی ہے۔ دکھ، بیماری، تنگی، فکر، حادثے، آفتیں آزمائشیں ان سب سے ہر ایک کو سابقہ پڑتا ہے۔ اگر انسان اپنے ماحول پر نظر ڈالے تو وہ دیکھے گا کہ اس کے پاس پڑوس میں ہی بہتیرے لوگ اس سے کہیں زیادہ سختیاں اٹھا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آگیا۔ جون ۱۹۷۴ء میں ایسا ہوا کہ یکایک بیماری نے آدبوچا۔ مرض نہایت تکلیف دہ تھا۔ تقریباً تمام دن اور تمام رات جاگتے گزر جاتے۔ ہاضمہ خراب ہو چکا تھا بے خوابی کی وجہ سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ اعصاب میں شدید کھنچاؤ اور بے چینی تھی۔ ایک دن وقتِ سحر انتہائی کرب کے عالم میں دل میں شکایت کے آثار نمودار ہوئے۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھا کہ ایک کرنل صاحب کو ٹرالی میں لٹا کر میرے کمرے کی طرف لایا جا رہا ہے۔ یہ ٹرالی عین دروازے کے



Marfat.com

سامنے آکر رکی ۔ کرنل صاحب کی حالت قابلِ رحم تھی ۔ وہ لکومیا کے مریض تھے ۔ صرف آنکھوں میں جان باقی تھی ۔ بے چارے اپنے جسم کا کوئی حصّہ بھی نہیں ہلا سکتے تھے ۔ بڑی عبرت ہوئی اللہ کا شکر ادا کیا کہ اپنے ہاتھ پیر تو چلتے ہیں اور دوسروں کی محتاجی نہیں ۔

یہ سچ ہے کہ مالی مشکلات سے انسان گھبرا اُٹھتا ہے اور بعض اوقات اتنا عاجز آجاتا ہے کہ زندگی ایک بوجھ لگنے لگتی ہے ۔ مگر عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ان مشکلات کی ذمہ داری کسی قدر ہم قدر پہ عائد ہوتی ہے ہم بے جا طور پر اپنی ضروریات کو بڑھا لیتے ہیں اور ضروری اور غیر ضروری میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے ہیں ۔ اگر آمدنی اور خرچ میں توازن قائم کرنے کی کوشش کی جائے تو حالات قابو میں رکھے جا سکتے ہیں ۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں دوران سفر مکہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ٹیکسی میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی ۔ یہ حج کا زمانہ تھا اور ہم دونوں روضۂ اطہر پر حاضری کے لئے جا رہے تھے ۔ ہمارے ہم سفر سوریہ کے رہنے والے تھے ۔ اور یہ ان کا انچاسواں ( ۴۹ ) حج تھا ۔ اُنہوں نے اپنی زندگی ایک مختصر سے تھیلے تک محدود کر رکھی تھی ۔ اسی میں ان کے کپڑے تھے اور اشیائے خوردنی بھی رہ رہ کر کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے پیش کرتے نہایت ہشاش بشاش اور بے فکر نظر آتے تھے ۔ بڑی سریلی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ۔ جب حضورِ اکرم صلعم کا ذکر آتا تو وہ ایک عالم بے خودی میں چلے جاتے ۔ جتنی دیر ہم اُن کے ساتھ رہے سوائے شکر کے اور کوئی کلمہ ان کی زبان سے سننے میں نہ آیا ۔ ان کے ہلکے پھلکے پن سے بہت کچھ سبق لیا ۔ کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ انسان اپنے بوجھ کو ہلکا بنانے کی پیہم کوشش کرے خواہ وہ بوجھ مادی ہو یا فکری یا روحانی ۔

## دولت وثروت کا مزاج پر غلبہ

بسا اوقات راہِ سلوک میں رکاوٹوں کا باعث بن جاتی ہے۔ غربت اور افلاس کی چوٹ کھا کر انسان اس قدر راہ سے نہیں بھٹکتا جتنا کہ دولت کے نشے سے افلاس کا مارا ہوا انسان فطرتاً پہلے اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اس کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ گو کبھی کبھار شکوے کرتا ہے لیکن حاجت روائی کے لئے اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے مگر جب دولت ہاتھ آجائے تو اللہ کی طرف سے دھیان ہٹ جاتا ہے۔ عبادت میں اکساہٹ محسوس ہوتی ہے اور طبیعت میں نخوت، تکبر، حرص و ہوس جیسے ناپسندیدہ خصائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ دولت مند کے حالی موالی اسے فرعونیت پر اکساتے ہیں اور وہ آپے سے باہر ہو کر سمجھ بیٹھتا ہے۔ کہ میں اَن داتا ہوں۔ میری یہ دولت ہمیشہ رہنے والی ہے اور اسے میں نے صرف اپنی کوشش سے حاصل کیا ہے۔ لہٰذا وہ عقبیٰ کے خوف سے غافل ہو جاتا ہے اور عبادت سے اُسے کوئی سروکار نہیں رہتا۔ وہ راندہ درگاہ ہو جاتا ہے سورۂ کہف میں اسی حقیقت کی طرف انسان کی توجہ دلائی گئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> "(وہ) کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو اور اگر میں اپنے پروگار کی جانب لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔"

ویسے دولت بُری چیز نہیں بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال ہو۔ زکوٰۃ، خیرات، حقداروں کا حق، یتیموں اور بے نواؤں کی دستگیری اور اقربا کی استعانت اور دستگیری کی جائے تو یہی دولت نجات کا ذریعہ بن سکتی



Marfat.com

ہے۔ اس کے مہلک اثرات سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس بات کو سامنے رکھا جائے کہ جس نے یہ دولت دی ہے وہ اسے چھین بھی سکتا ہے۔ اور ایسا ہم روزانہ کی زندگی میں دیکھتے بھی ہیں۔ ایران کے مشہور زمانہ رضا شاہ پہلوی کی مثال ہمارے سامنے ہے، باوجود جاہ وحشمت وسیاسی وقار، اثر ورسوخ کے چشم زدن میں دنیا اُن کے لیے ایسی تنگ وتاریک بن گئی کہ بالآخر حسرت ویاس وکسمپرسی کے عالم میں اس دنیا کو خیر باد کہنا پڑا۔ دنیا کی عظیم طاقتیں جو ان کی دوستی کا دم بھرتی تھیں انہیں سیاسی پناہ تک دینے کے لیے تیار نہ ہوئیں۔

اللہ کے شیدائیوں نے دولت کے سائے سے ہمیشہ خود کو بچایا ہے۔ چہ جائیکہ اس کی تمنا کی ہو۔ حضرت طلحہؓ ان میں سے ایک تھے ان کا شمار جنّتی صحابیوں میں ہوتا ہے اور وہ ان چند خوش قسمتوں میں سے ایک تھے۔ جنہیں آنحضورؐ نے جنتی ہونے کی بشارت دی وہ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ نے انہیں دشمن کی کھوج لگانے کے لئے بھیج رکھا تھا۔ یہ وہ پہلا غزوہ تھا جس کی سعادت سے آپ محروم رہے۔ جب آپ اپنے مشن سے لوٹے تو حضورؐ نے نے مالِ غنیمت سے ایک حصّہ آپ کو بھی عطا فرمایا لیکن آپ اس کے لئے شروع میں راضی نہ ہوئے۔ روپیہ پیسہ کی آپ کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی۔ آپ نے مالِ غنیمت کا لینا صرف اس وقت قبول فرمایا جب آپ کو یقین دلا دیا گیا کہ وہ اس غزوہ کی شرکت کے ثواب کے بھی مستحق ہیں۔

ہمارے ایک دوست نے دولت اور ثروت کی چاہ کے انجام کا ایک عبرت ناک چشم دید واقعہ بیان کیا۔ اُنھوں نے بتایا کہ کچھ سال پہلے اُن کی ملاقات ایک ایسے اعلیٰ طبقہ کے شخص سے ہوئی جس کی گردن میں ہر



Marfat.com

وقت ایک کٹوری لٹکی ہوتی تھی۔ یہ پانی سے بھری ہوتی اور وہ اس میں اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ڈالے رکھتا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابتدائی زندگی میں بڑا مفلوک الحال تھا۔ ایک چھوٹی سی پرچون کی دکان کر رکھی تھی۔ جو کسی صورت نہ چلتی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک کوٹھری میں ایک اندھا فقیر بھی رہتا تھا۔ ایک روز جب اس کی مالی حالت بہت نازک ہوئی تو یہ سوچ کر کہ شاید اس فقیر کے پاس کچھ روپیہ ہو۔ وہ فقیر کی کوٹھڑی میں داخل ہوتے وقت اس کے پیچھے ہو لیا۔ فقیر نے کوٹھری میں گھستے ہی کنڈی لگالی اور پھر ایک بار زور سے فضا میں اپنی لکڑی گھمائی تاکہ اگر کوئی اندر ہو تو اس کا پتہ چل جائے۔ اس لکڑی کی زد سے بچنے کے لئے دیوار سے چپک گیا۔ فقیر نے اب بے فکر ہو کر فرش کے بیچ سے ایک پتھر ہٹایا اور اپنی دن بھر کی کمائی اس خلا میں گرا دی۔ جب فقیر یہ سب کچھ کر چکا تو اس اجنبی نے اپنی موجودگی کا اعلان کیا اور بتایا کہ اس نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ مگر وہ اس کی پونجی اس سے نہیں چھینے گا بشرطیکہ وہ اس میں سے کچھ رقم اُسے بطور قرضہ کے دے دے جو وہ بعد میں اسے لوٹا دے گا۔ فقیر اس بات پر راضی ہو گیا اور پھر کاروبار باہم اشتراک سے چلتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس قرض دار کو دوبارہ اپنے کاروبار میں بھاری خسارہ اٹھانا پڑا۔ اس دفعہ بھی اُس نے کسی صورت فقیر کو راضی کر لیا کہ وہ ساری پونجی اس کے حوالہ کر دے لیکن یہ طے پایا کہ اس کی ادائیگی سے قبل اگر وہ مر جائے تو اس کا روپیہ اس کی قبر میں دفنا دے گا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ جلد ہی چل بسا۔ قرض دار نے حسب وعدہ اپنی حالت بہتر ہوتے ہی اس سے قرض لی ہوئی رقم کو اس کی قبر میں ڈال دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر اس کو روپیہ کی حاجت ہوئی۔ سوچا کہ قبر کھود کر اُس مدفون رقم کو کیوں نہ نکال لے۔ اس خیال سے وہ قبرستان گیا۔ اور فقیر کی قبر کھود ڈالی مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی



Marfat.com

انتہا نہ رہی کہ قبر میں دفن کیا ہوا روپیہ فقیر کے جسم سے اس طرح چمٹا ہوا تھا گویا اس سے اُسے داغا گیا ہو۔ اس نے ہمت کر کے ان سکوں کو اپنی شہادت کی اُنگلی سے ہٹانا چاہا تو اس کی انگلی اس طرح جل اُٹھی کہ اگر وہ اس انگلی کو ہر وقت پانی میں نہ رکھتا تو وہ ایک ناقابلِ برداشت چمک محسوس کرتا اور اس میں عجیب و غریب قسم کی ٹمیس محسوس ہوتی۔ گو اُسے اب دنیا بھر کا عیش حاصل تھا لیکن یہ عذاب اس کی زندگی کے ساتھ لگ گیا تھا۔

دولت کے مہلک اثرات سے بچنے کے لیے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا مشورہ ہے۔

۱۔ اچھے اور نیک آدمیوں کی صحبت میں بیٹھو۔

۲۔ کسی کامل بزرگ کی خدمت میں حاضری دیتے رہو تاکہ دل بر زنگ نہ لگنے پائے۔

۳۔ غصہ اور نفرت کو نفی کرنے کی کوشش جاری رکھو۔

۴۔ خلقِ خدا سے محبت اور غریب انسانوں کی خدمت کرو۔

## قبیح جذبات کا دباؤ

چھٹی رکاوٹ جذبات کی بتائی گئی ہے۔ جذبات دو قسم کے ہوتے ہیں یعنی اچھے اور بُرے۔ بُرے جذبات سے پرہیز ضروری ہے تاکہ کردار کا توازن برقرار رہے اور بداعمالی سے انسان بچا رہے مگر ایسا صرف اس وقت ممکن ہے جب سالک میں قوتِ ارادی ہو اور قوتِ برداشت بھی جہاں قوتِ ارادی اس کو تھامے رہے گی اور بُرے جذبات کی کشش سے بچائے رکھے گی وہاں قوتِ ارادی لوگوں کے طعنے تشنیع اور جا و بے جا چلے بازیوں کے سہنے کی لیاقت اُس میں پیدا کرے گی۔ مثلاً لوگ اُسے قدامت پرست بیکار محض اور غیر دلچسپ انسان کہہ کر پکاریں گے لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہے گا اور اپنی روش پر قائم۔ قوتِ



Marfat.com

ارادی کی اہمیت قرآن پاک کی اس آیت سے واضح ہو جاتی ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؁ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ؀

(اور جب سچے مسلمانوں نے دشمنوں کے گروہوں کو دیکھا تو بول اُٹھے کہ یہ تو وہی (موقع) ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ نے ہمیں بتا رکھا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس (موقع کے پیش آجانے سے) لوگوں کا ایمان اور شیوۂ فرمانبرداری اور بھی زیادہ ہو گیا (ان ہی) مسلمانوں میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ خدا کے ساتھ جو اُنہوں نے جانثاری کا عہد کیا تھا اس میں سچے اترے سو (بعض تو) اُن میں ایسے تھے جو اپنی (منّت) پوری کر گئے (یعنی شہید ہوئے) اور بعض اُن میں سے ایسے ہیں جو (شہادت) کے منتظر ہیں اور اُنہوں نے اپنی بات میں ذرا سا بھی توڑ دو بدل نہیں کیا۔ (سورۃ الاحزاب رکوع ۳)

آپ اس آیت کے پس منظر پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ جس معرکہ کی طرف یہاں اشارہ ہے اُس کے سر کرنے میں قوتِ ارادی کا بڑا ہاتھ تھا۔ اگر مسلمانوں نے عزم و ہمت سے کام نہ لیا ہوتا تو دشمن کے پہلے ہی ہلّے میں ان کے قدم اکھڑ جاتے۔

ہجرت کے چوتھے برس کا ذکر ہے کہ قبیلۂ بنی نضیر کے یہودیوں کو جو مدینہ میں بستے تھے۔ اور مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے آنحضورؐ

نے مصلحتِ انتظامی کے اعتبار سے شہر سے نکال دیا۔ اُنہوں نے مدینہ کے ارد گرد پھیل کر فساد برپا کیا۔ بارہ ہزار آدمیوں نے مدینہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی طاقت بہت کم تھی یعنی صرف تین ہزار اور ان تین ہزار میں کچھ منافق تھے۔ ساز و سامان کے اعتبار سے بھی حالت کچھ بہتر نہ تھی۔ اس نازک صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے مسلمانوں نے شہر کے ارد گرد حفاظتی خندق کھودی اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ یہ لڑائی کوئی ایک مہینہ جاری رہی۔ رہ رہ کر حملے ہوتے۔ سخت مقابلہ تھا۔ آخر کار خدا کی رحمت سے ایک دن زور دار آندھی چلی۔ جس سے دشمن میں کھلبلی مچ گئی۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں گھوڑے کھل گئے۔ ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی۔ بالآخر حملہ آور اتنے تنگ ہوئے کہ اُنہوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔

یہ جنگ دراصل مسلمانوں کے صبر و استقلال کا امتحان تھی اور ان کی ایمانی قوت کی جانچ لیکن باوجود اس سخت آزمائش کے ان کے پائے استقامت کو جنبش تک نہیں ہوئی۔ نہ رسد کی کمی کے خیال نے انہیں حراساں کیا اور نہ محدود تعداد اور ضروری اسلحہ کی قلت نے۔ سورۂ بقرہ میں مسلمانوں کو اس صورتِ حال سے پہلے ہی خبر دی جا چکی تھی۔ لہٰذا جب یہ آفت ٹوٹی تو سچّے مسلمان یہی سمجھے کہ وہ موقع واقعی آن پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوتِ برداشت کو جس کا سب سے اعلیٰ اظہار حضور پاکؐ کی ذات سے ہوا بہت پسند فرمایا۔ اور حضورؐ کی توجہ بار بار اس حقیقت کی طرف دلائی۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ
وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝



Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ
هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

" اور مسلمانو ! دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ
سختی پھر کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ
کی گئی ہے۔ اور اگر ( لوگوں کی ایذاؤں پر ) صبر کرو اور
خدا کی توفیق کے بدوں تم صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان
( مخالفوں کے حال ) پر افسوس نہ کرو اور یہ لوگ جو
( تمہاری مخالفت میں ) تدبیر کیا کرتے ہیں۔ اُن سے تنگ
دل نہ ہو ( کیونکہ ) جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں اور جو
( لوگوں کے ساتھ ) حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اللہ
ان کا ساتھی ہے۔

متذکرہ بالا آیات سے پتہ چلا کہ صبر کرنا گو بے حد مشکل
کام ہے لیکن اگر کوئی اس کے لئے کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ
ایسے بندوں پر ضرور اپنا کرم فرماتے ہیں اور انہیں کامیابی
بخشتے ہیں۔ صبر کرنے والوں کے لئے اس غیبی امداد کا وعدہ
بار بار دھرایا گیا ہے۔ جالوت کے ذکر کے دوران سے
سورۃ البقر کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً
بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

( بہت جگہ تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے۔ بھاری جماعت
پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے )
اور اس سے قبل صبر کرنے والوں کی خصوصیت اُن کی دعا کی
شکل میں اس طرح بیان کی ہے۔

(طالوت کے فوجی بولے) اے رب ڈال ہم میں جتنی مضبوطی ہے
اور ٹھہرا ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر)
(البقرہ)

صبر اختیار کرنے والوں کے لئے دو باتوں پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ غصّہ کی بالکل نفی کرو۔
۲۔ لوگوں سے نفرت کرنا چھوڑ دو۔

بظاہر یہ دو باتیں بہت معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انہیں اپنانا اتنا آسان نہیں۔ ہمیں بات بات پر غصہ آتا ہے۔ گھڑی گھڑی جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔ خلاف طبیعت کوئی چیز گوارا نہیں۔ معمولی سی غیر متوقع حرکت بھی شدید ردِّ عمل پیدا کرتی ہے اور ہم سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے پھر جوں جوں سالک کا قلب روشن ہوتا جاتا ہے۔ اور لوگوں کے چہروں سے اُن کی اندرونی کثافت کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ اس کے لئے نفرت پر قابو پانا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اب اُسے انسانوں کے بھیس میں درندے دکھائی دیتے ہیں۔ خارجی پاکی اور دیدہ زیبی داخلی کدورت کو چھپانے سے قاصر رہتی ہے۔ یہی نہیں یہ بدخصلت انسان، اپنی نام نہاد پارسائی منوانے کے لئے بار بار کوشش کرتے ہیں لہٰذا سالک کے لئے غصّہ کو پی جانا صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت، اس کے ستّار اور غفّار ہونے پر غور کرے اور سرورِ کونین ﷺ کے رحمت العالمین ہونے کی خصوصیّت کو اپنے کردار کا زیور بنائے۔ سالک کا کام رہگیروں سے اُلجھنا نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں راستہ دکھاتا ہے۔

جذباتی رکاوٹوں کے عنوان کے تحت اگر غرور اور غلط فہمی کا بھی ذکر کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ غرور کو بعض حضرات فخر کا مترادف



Marfat.com

قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا غرور یا تکبّر ان کی نظر میں اتنا قبیح نظر نہیں آتا کہ اس کی روک تھام کی جائے۔ فخر دراصل غرور سے بالکل مختلف ہے فخر انسانی فطرت کا بے ضرر ردِّ عمل ہے۔ فطرتاً جب کوئی شخص کوئی اچھا کام کرتا ہے تو وہ اس پر فخر کرتا ہے۔ اُسے اس کے ارتکاب سے یک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ فخر نمائش کی شکل اختیار کرنے لگے تو اتراہٹ میں مبدل ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہی فخر رعونت یا گھمنڈ کا باعث بنے تو غرور کا جامہ پہن لیتا ہے۔ پھر یہ مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ رنگ، نسل، ذات پات، دولت اور مرتبہ کے علاوہ علمیّت، پارسائی، ریاضت اور روحانی طاقت پر بھی انسان غرور کرنے لگتا ہے۔ اس طرح علم، عبادت اور زہد و تقویٰ کبھی کبھی سالک کے لئے مارِ آستین بن جاتے ہیں اور جلد اس کے راہ سے بھٹکنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی شعبدہ بازی سے دل بہلاتا ہے۔ تو کبھی لوگوں کو بے نقاب کرنے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر چاپلوس اور مصاحب اس کی کمزوری کا سہارا لے کر اس سے عجیب و غریب حرکتیں کرواتے ہیں۔ الغرض وہ صوفی کی بجائے مداری یا بہروپیہ بن جاتا ہے۔ اور اس دَور میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جا بجا یہ اپنی دکانیں اور چہرے سجائے نظر آتے ہیں۔ ایسا دراصل کم علمی، تنگ نظری اور غور و فکر کی کمی کے باعث ہوتا ہے سالک کو چاہیئے کہ غور و فکر کرتا رہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو کبھی اپنے جامہ سے باہر نہیں ہوگا۔ وہ جلد جان جائے گا کہ نقارہ کی آواز کسی اور چیز کی مرہونِ منت ہے اور وہ نقارہ بجز خول اور کچھ بھی نہیں۔

رہا روحانی طاقت پر غرور کا سوال تو یہ بھی انتہائی نادانی ہے۔ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کی طلب صادق نہیں ہوتی اور جو بے علم، کم ظرف



Marfat.com

ہوتے ہیں اور جو جاہل اور ناقص صوفیوں کے بے سروپا روایات ہی کو حاصلِ تصوف اور کمالِ سلوک خیال کرتے ہیں اور محض اس مقصد سے بیعت ہوتے ہیں کہ جلدی سے فقیر بن کر لوگوں کو مرید کرنے لگیں اور اُن سے نذرانہ وغیرہ لے کر عیش کریں۔ (۱)

سالک کی سوچ اس سے کہیں بالاتر ہونی چاہیئے۔ تصوف اور سلوک کا مقصد اور منتہا تو محض ذاتِ باری تعالیٰ کا قرب و مشاہدہ و معرفت ہے اس میں ان خرافات کو قطعاً دخل نہیں۔ اس غرور کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک کبر جس کا مریض دوسروں کو خود سے چھوٹا سمجھتا ہے اور دوسرا عُجب ورِیا جس کا مارا ہوا صرف اپنے کو ہی بڑا سمجھتا ہے۔

سالکِ صادق کا طریقہ تو بالکل اس سے جدا ہوتا ہے۔ بجائے اپنے زہد و تقویٰ پر غرور کرنے کے وہ مجلسوں میں شریک ہوتے وقت اس بات کی احتیاط برتتا ہے کہ اپنے جذب و حرارت کو اپنا لوہا منوانے کے لئے بذریعہ توجہ استعمال نہ کرے۔ سالک کا کام روحانی دنگلوں میں اپنے داؤ دکھانا ہرگز نہیں۔ یہ طفلانہ مزاجی اور کم ظرفی کا ثبوت ہے۔ اگر سالک اس سے اجتناب کرے اور باوجود حرارت اور جذب کے غصہ غرور اور نفرت کو اپنے قابو میں رکھے اور کبیرہ نقائص سے بچے تو اسے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ناسوت و ملکوت طے کر کے جبروت تک پہنچ گیا۔

رکاوٹوں کی ایک قسم اور بھی ہوتی ہے۔ یہ غلط فہمیوں کی بنا پر وجود میں آتی ہے۔ سالک بعض اوقات اپنے کشف و کرامات کے باعث یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ کامل ہو گیا ہے اور معرفت کی ساری منزلیں طے کر چکا ہے۔ یہ غلط فہمی خصوصاً اس وقت بڑی پریشانی کا باعث ہوتی ہے جب سالک کو ہو یا لطائف امر سے واسطہ پڑتا ہے۔ جہاں کشف و

---

(۱) چراغِ راہ تصنیف خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ



Marfat.com

کرامات، جذبات کے ساتھ مل کر ایک مبتدی کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ گویا خدا اس وقت ان کے جسم میں حلول کر گیا ہے (حالانکہ یہ سراسر الحاد ہے) یہ کیفیات ایک منتہی کو بھی مقامِ ہو میں پہنچ کر گمراہ کرا دیتی ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اس مقام پر کوئی شکل وصورت وجود میں نہیں ہوتی لیکن عالم مثال اور عالم مادی میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اور ظہور میں آتا ہے۔ وہ سب اسی مقام ھو سے وہاں تک مدارج تنزلات طے کرتا ہوا پہنچتا ہے اور وہ لطائف امر سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس بات سے دھوکا کھاتا ہے۔ ①

اس سلسلہ میں خواجہ صاحب نے دو واقعے قلمبند فرمائے ہیں ایک اپنا اور ایک اپنے شیخ جناب مولانا کرم الدین صاحبؒ کا۔ شیخ مذکور جب عدم، نفس اور عقل کے لطائف طے کر کے لطیفۂ روح میں پہنچے اور یہ لطیفہ ان پر کھلا تو وہ غلطی سے روح کو ذاتِ باری تعالیٰ سمجھ بیٹھے اور تقریباً ایک سال تک اسی کو سجدہ کرتے رہے۔ تاآنکہ ایک مجذوب سے اتفاقاً ایک جنگل بیابان میں ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا تو کافر ہے روح کو سجدہ کرتا ہے۔ جب مولاناؒ نے اس سے گفتگو کرنا چاہی تو بجائے اُن سے ہم کلام ہونے کے اس مجذوب نے مولاناؒ کے مُنہ پر ایک زور کا تھپڑ مارا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ تھپڑ کا لگنا تھا کہ حقیقت مجھ پر روشن ہو گئی اور جس غلط فہمی میں مَیں مبتلا تھا۔ میں نے اس سے توبہ کی اور آگے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔

---

① چراغ راہ تصنیف خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ



Marfat.com

# شیخ کامل کی کیا پہچان ہے؟

Marfat.com

# شیخ کامل کی پہچان

اس دور میں جب کہ صوفی کامل کے دعویدار بہت ہیں، عام انسان کے لیئے یہ بہت مشکل ہو گیا ہے کہ اگر وہ راہ معرفت میں قدم رکھے تو اپنا مرشد کسے بنائے۔ ہر ہر قدم پر ایک نہ ایک خرقہ پوش کسی کی قبر سجائے اور روحانی مطب لگائے بیٹھا ہے۔ قوالی ہو رہی ہے، پیسے بٹورے جا رہے ہیں۔ لوگوں کو طرح طرح کے دھوکے دے کر اور جھوٹے وعدے کر کے لوٹا جا رہا ہے۔ اور اس پر دعویٰ یہ ہے کہ۔

"ہم خاصانِ خدا ہیں، لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں"۔

یہ مزاروں کی تجارت اور گدڑی پوشوں کی سجاست اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان سے چوٹ کھائے ہوئے۔ دین سے بھی بدگمان نظر آتے ہیں حالانکہ ان حضرات کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ لہٰذا اس دور میں جب بقول غالب،

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

کس طرح یہ ممکن ہے کہ صحیح رہبر کا انتخاب کیا جائے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تربیت السالک میں شیخ کی پہچان کے لئے چند مستند اصول وضع کیے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس سے بہتر اور کوئی طریقہ عام انسان کی



Marfat.com

رہبری کے لئے نہیں ہو سکتا۔ یہ اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ بقدرِ ضرورت دین کا علم رکھتا ہو۔

۲۔ عقائد اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

۳۔ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو اور کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کا ایک شعبہ ہے۔

۴۔ کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔

۵۔ اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۶۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم و دیندار لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔

۷۔ اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں سے اکثر کی حالت باعتبارِ شرع و قلتِ حرص دنیا کے اچھی ہو۔

۸۔ وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور اُن کی بُری بات سُنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک سکتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

۹۔ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہو۔

۱۰۔ خود بھی ذاکر و شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدّین اولیاؒ نے نے جو شیخ کی صفات بیان کی ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

اوّل یہ کہ وہ مراد ہو تا کہ مرید کی تربیت اس سے ممکن ہو۔



Marfat.com

دوسرے یہ کہ اس نے سلوک کے راستے کو طے کیا ہو تاکہ وہ راستے کی صحیح راہنمائی کر سکے۔

تیسرے یہ خود صاحب آداب ہوتا کہ مریدوں کو آداب سکھلا سکے

چوتھے وہ کہ وہ صاحب جود و عطا اور بے ریا ہو۔

پانچویں یہ کہ مرید کے مال پر ذرا بھی حریص نہ ہو۔

چھٹے یہ کہ جہاں اشارے سے پند و موعظت ممکن ہو صراحت سے احتراز نہ کرے۔

ساتویں یہ کہ جہاں تک ممکن ہو مرید کو آداب کی تعلیم نرمی سے کرے۔

آٹھویں یہ کہ جس چیز کے لئے شیخ مامور ہے اس کے کرنے کا مرید کو مصلحت سے حکم دے۔

نویں یہ کہ اس کے شیخ نے جن چیزوں سے اس کو منع کیا ہو ان سے وہ مریدوں کو بھی روکے۔

دسویں یہ کہ جب کسی کو اللہ کے لئے مرید کرے پھر اُسے کسی کے لئے رد نہ کرے۔

## خلافت اور خلافت کے طریقے

جہاں شیخ کی صفات کا ذکر ہوا۔ وہاں بہتر ہوگا کہ خلافت کے بارے میں بھی وضاحت کر دی جائے۔ عام طور پر یہ خیال ہے کہ خلافت خاندانی ہے۔ یعنی باپ سے بیٹے کو ودلیعت کی جاتی ہے اور وہی اُسکا گدی نشین ہوتا ہے۔

کچھ خاندانوں میں ایسا دیکھنے میں آیا ہے۔ شاید اس لئے کہ اللہ نے انہیں ایسے نیک بندوں سے پشت در پشت نوازا ہو جو اپنے تقویٰ اور روحانیت کے باعث اس اعزاز کے مستحق ہوں ورنہ ایسا نہیں ہوتا



Marfat.com

حضرت نظام الدّین اولیاؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حوالے سے خلافت کے تین طریقے بتاتے ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ پیر کو جس مرید کے متعلق الہام ہو اور حق تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے شیخ کے دل میں ڈالے کہ فلاں کو خلافت دو، اُسے خلافت دے۔ یہ محکم اور بہتر طریقہ ہے۔ یہی وہ رحمانی طریقہ ہے جس میں بہت زیادہ خیر و برکت ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیر جس مرید میں اچھی صلاحیتیں دیکھے اس کے بارے میں اجتہاد کرے۔ اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی کی سفارش و عنایت پر شیخ مرید کو خلافت دے۔ اس موقع پر سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ اس تیسرے طریقہ کے متعلق جس میں پیر کو انشراح نہ ہو، کیا پھر بھی شیخ اس کا مجاز ہے؟ جواب ملا، یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے اور اس (خلیفہ) سے بہتری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

## کیفیاتِ مخصوصہ

**جذب** سالک کی راہ بڑی پُرخطر ہے۔ جہاں ذکر و فکر و مجاہدہ کی کشمکش ہے۔ وہاں اس سے بڑھ کر بارِ گراں یہ ہے کہ ضبط و تحمل کا مطالبہ بھی ہے۔ سالک خواہ کسی رنگ اور کسی کیفیت میں ہو اسے انتہائی خود ضبطی سے کام لینا پڑتا ہے۔ جذب کی حالت میں ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ جذب سالک کی وہ کیفیت ہے۔ جب ذکر و فکر



Marfat.com

رہنے گرم ہو جاتا ہے۔ نفس کے گرم ہوتے ہی روح بھی گرما جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک گونہ بے خودی اور سرشاری کے عالم میں چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے ماحول سے بے خبر ایک اور دنیا میں ہوتا ہے۔ راہِ سلوک میں اس جذب کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ جذب کی حالت میں سالک سے بڑے عجیب و غریب کرامات سرزد ہوتی ہیں بشرطیکہ خدا کو ایسا منظور ہو۔

## جذب کے اعتبار سے سالک کی اقسام

جذب کے اعتبار سے سالک تین قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جو انتہائی جذب کے عالم میں بھی اپنی عقل اور طبیعت کو اس سے متاثر نہیں ہونے دیتے۔ ان عالی ظرف اور اولوالعزم شخصیتوں میں خود نبی کریمؐ، صحابۂ کرامؓ اور بہت سے تابعین کا شمار ہوتا ہے۔ صوفیائے کبار کی نظر میں سب سے زیادہ قوتِ جذب آنحضور صلعم کی ذات پاک میں تھی۔ لیکن باوجود اس کے ان کی ذات پاک سے اس جذب کا اظہار صرف ایک بار ہوا اور وہ بھی جنگِ بدر میں جب حضور صلعم نے مٹھی بھر خاک کفار کی طرف پھینکی اور ان کی خاک اڑ گئی۔ صحابہؓ میں سے حضرت عمرؓ سے ایسا دو بار ہوا۔ پہلی بار مسجد نبوی میں جب وہاں بیٹھے بیٹھے اچانک فرمایا یا ساریہ الجبل (اے ساریہ! پہاڑ کی طرف) یہ الفاظ آپ کی زبان سے اس وقت نکلے جب ساریہؓ میدان یرموک میں دشمن سے نبرد آزما تھے۔ دوسری بار اس کا اظہار اس وقت ہوا جب آپ نے دریائے نیل کو خط لکھا۔ حضرت علیؓ تو اکثر حالتِ جذب میں رہتے تھے مگر سکر کے غلبہ میں نہیں۔



Marfat.com

جو بھی عمل جذب کی حالت میں سرزد ہوتا ہے۔ اس کی الہامی کیفیت ہوتی ہے۔ ایک طاقت، ایک جذبہ، ایک عمل از خود وجود میں آتا ہے۔ اس کیفیت کے گذر جانے کے بعد، اگر مجذوب اپنے عمل پر غور کرے تو اُسے خود بھی تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آیا۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے انتقال کے کچھ ہی دن بعد جب میں اُن کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا تو ایک خاصے نامی گرامی صاحب اُن کے خادم حلقہ سے اُلجھ رہے تھے۔ وہ انصاری صاحبؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ کسی پریشانی میں گرفتار تھے جب اُنہوں نے کسی بات پر انصاری صاحبؒ کا نام لیا تو ایک دوست اور کرم فرما کا ذکر ہوتے ہی نہ جانے کیا ہوا کہ میں نے ایک جذب کی کیفیت میں گلاب کے پودے سے سوکھے ہوئے پھول توڑ کر اُن کی طرف بڑھا دیئے اور اس طرح گویا ان سے درخواست ہو کہ بابا پیچھا چھوڑو فقیروں سے کیوں اُلجھتے ہو۔ اپنا راستہ ناپو اللہ بھلا کرے گا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس لغزشِ مستانہ کا بھرم بھی رکھ لیا لیکن اس قسم کی جذب کی کیفیت میں انسان اپنی عقل و خرد کو نہیں کھوتا۔ صحوی جذب رکھنے والے ہمیشہ حدِ ادب کا پاس رکھتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جو ذرا سی جذب کی کیفیت طاری ہوئی نہیں کہ اپنی عقل اور طبیعت پر قابو کھو بیٹھتے ہیں اور سکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی جذب کی سکری کیفیت ہے جس کے زیر اثر حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ نے انا الحق کا نعرہ لگایا۔ بات یہ ہے کہ جب جذب کی شدت بڑھ جائے اور اس کا نشہ دماغ پر چڑھ جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے "بدن کے اندر کوئی دوسری روح یا طاقت حلول کر گئی ہے" ایسی صورت میں اُن سے غیر شرعی باتوں کے ارتکاب



Marfat.com

کا قوی امکان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں نے حلول کا مسئلہ اخذ کر لیا جو سراسر کفر و زندقہ ہے۔

# سالک کن منزلوں سے
# گزرتا ہے؟
# اسکے سفر کی ابتدا اور انتہا کیا ہے؟

# سلوک اور اسکی منزلیں

سلوک کے معنی سفر کے ہیں بالخصوص اُس روحانی سفر کے جو روح سالک کی ذات سے خدا کی ذات تک طے کرتی ہے۔ اس سفر میں روح مختلف طبقات اور عوالم سے بقدر ظرف، حوصلہ، نفاست اور توفیق باللہ گذرتی ہے اس سفر کی ابتدا اس مادی عالم یا ہماری دنیا سے ہوتی ہے اور عرش کبریا پر جاکر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سالک کو اللہ کی ذات بحت کا عرفان ہوتا ہے۔ جس میں بقول جناب انصاری؟ "نہ رنگ و بُو ہے نہ امتداد ہے"، نہ کوئی صفت ہے اور جس کی بابت اللہ خود قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

(پاک ہے وہ ذات تمام صفات سے)

کرۂ زمین سے چل کر سب سے پہلے دوزخوں کا طبقہ آتا ہے۔ اس کے بہتّر (۷۲) طبقات ہیں۔ وہ دوزخ کا عالم خالصتاً روحانی ہے۔ اسی وجہ سے نہ ہم کو نظر آسکتا ہے اور نہ کسی اور طریقہ سے محسوس اور مدرک ہوسکتا ہے۔ البتہ سالکانِ راہ طریقت کی روحیں جو عرش کی طرف جاتی ہوئی یہاں سے گزرتی ہیں۔ ان میں سے اکثر اس کو دیکھتی ہیں لیکن بعض بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو کچھ نظر نہیں آتا اور وہ بغیر دیکھے گزر جاتی ہیں۔ ان کے سلوک کو آپ بند گاڑی یا ہوائی جہاز کا سلوک سمجھ لیجئے۔ لیکن مُردوں کی روحیں یہاں عذاب کے لئے لائی جاتی ہیں۔ وہ

سب کچھ دیکھتی ہیں اور محسوس کرتی ہیں۔ ①

جو دوزخ کا طبقہ زمین سے ملا ہوا ہے۔ وہاں سب سے زیادہ عذاب ہے۔ یہ اس کا نیچے والا طبقہ ہے۔ جوں جوں ہم اوپر جاتے جائیں، عذاب کی شدت میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا آخری طبقہ آجاتا ہے۔ جس کے بعد ایک دیوار ہے اسے اعراف کہتے ہیں۔ سورۂ اعراف میں اس کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے۔

وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ یَطْمَعُوْنَ ۝

اعراف کے بعد جنتوں کے عوالم شروع ہوتے ہیں۔ یہ عوالم سلسلہ وار نیچے سے شروع ہو کر طبق پر طبق عالم ہُو تک جاتے ہیں۔ سورۂ انشقاق میں ان کا ذکر اس طرح ہے۔ "تم کو چڑھنا ہے طبق طبق کر کے" یہ جنتیں اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بڑی وسیع ہیں۔

وَ سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

جنتوں کا پہلا طبقہ عالم ملکوت کہلاتا ہے۔ یہ ۳۶ خیالی طبقوں میں با اعتبار نیک اعمال منقسم ہے۔ اس کا چھتیسواں (۳۶) طبقہ اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے بعد عالم جبروت آتا ہے۔ جس کے اٹھارہ طبقے ہیں یہ عالی مرتبت مومنین، اولیاء، اصفیاء

---

① حقیقت وحدت الوجود از خواجہ عبد الحکیم انصاریؒ



Marfat.com

صدیق اور شہیدوں کی روحوں کا مسکن ہے۔

لاہوت کے بعد ہاہوت کا عالم آتا ہے اس کے چودہ (۱۴) طبقات ہیں۔ یہاں پہلے ہی طبقہ سے صور واشکال اس قدر باریک ، دھندلی اور لطیف ہوجاتی ہیں کہ مشکل سے ہی نظر آتی ہیں اور دو چار طبق آگے نکلنے کے بعد تو ان کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔ صرف معنویت ہی معنویت رہ جاتی ہے۔ یہاں سے جو مکشوف ومشہور ہونا شروع ہوتا ہے وُہ دنیا کی کسی زبان کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ہاہوت کے بعد عالم ہُو ہے۔ اس کو طبقات میں تقسیم کرنا ناممکن ہے یہ نور جیسی شے کا ناپیدا کنار سمندر ہے۔ جس کو خدا خود کچھ دکھانا چاہے وہ یہاں بھی بہت کچھ دیکھتا ہے۔ لیکن جو کچھ مکشوف ومشہود ہوتا ہے وہ بھی بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس عالم کو مثالاً ہماری زمین کی فضا کے طور پر سمجھنا چاہیئے کہ جیسے فضا میں اگرچہ بہت کچھ ہے مگر نظر نہیں آتا۔ ہاں عقل اور تجربہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہُو میں بھی بظاہر کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن کشف اور دل کی آنکھ سے بہت کچھ دکھائی دیتا اور معلوم ہوجاتا ہے۔ ہو کے نچلے حصے میں سالک کو یہ دکھائی دیتا ہے کہ ساری کائنات کا ایک وجود ہے اور وہی خدا ہے۔ یہ وہی مقام ہے۔ جہاں جناب ابن العربیؒ ہُو کو ذات سمجھ بیٹھے اور خیال کیا کہ میں ذات بحت تک پہنچ گیا ہوں (۱) اس کی بنا پر وحدت الوجود کا تصور پیش ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی جب اس منزل پر پہنچے تو وہ بھی یہی سمجھے کہ یہی ذات اور کائنات کی حقیقت ہے لیکن وہ یہاں زیادہ عرصہ تک نہیں ٹھہرے اور اُوپر

---

(۱) حقیقت وحدت الوجود از خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ



Marfat.com

عرش کی طرف روانہ ہو گئے۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا بھی یہی مشاہدہ ہے۔

"پھر علی الترتیب اعراف، ملکوت، جبروت، لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ہُو کے نچلے طبقے میں داخل ہوا۔ یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن العربی صاحبؒ نے حقیقت فرمایا ہے اَلحمدُللہ کہ میں نے یہاں زیادہ قیام نہیں کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا۔ جب میں ہُو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو مجھے بھی وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحب نے ظلیت کہا ہے۔" (۱)

دوزخ سے ہُو کی انتہا تک جو عالم ہے وہ عالم مثال کہلاتا ہے ہُو کے بعد ایک نیا عالم شروع ہوتا ہے۔ اسے عالم امر کہتے ہیں۔ اس کے پہلے طبقے یا لطیفہ کا نام عدم ہے۔ یہاں بھی مطلقاً کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو نظر آ سکے یا عقل و تجربہ کی رو سے معلوم ہو سکے۔ اس کو آپ مثلاً ایسا سمجھ لیں جیسا کہ ہماری فضا کے اوپر خلا ہے۔ عدم دراصل ایک تخریبی یا منفی قوت ہے، بسیط شکل میں۔ عدم کے بعد نفسِ بسیط، پھر عقل بسیط، پھر روحِ بسیط کے لطائف ہیں۔ روحِ بسیط کے بعد سوادِ عرش ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلیات ظاہر ہو کر تمام عالم میں ہر وقت جاری و ساری رہتی ہے۔ اس کے بعد عرشِ اعظم ہے۔ یہ ذاتی تجلیات کا عالم ہے۔ اور اسی کے مرکز میں اللہ تعالیٰ کی وہ ذات بحت مشہود ہوتی ہے جس میں نہ کوئی رنگ ہے، نہ نور ہے، نہ کوئی صفت اس کا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ذاتِ بحت یہاں کسی

---

(۱) حقیقت وحدت الوجود از خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

خاص مقام یا علاقے میں مقید و محدود ہے۔ مطلق نہیں وہ ذات تو اپنی تمام صفات و بے صفاتی کے ساتھ کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے۔ لیکن سالک کو اس کا مشاہدہ یا عرفان اسی مقام پر حاصل ہوتا ہے۔"

یہ ہے وہ سالک کی روح کا سفر جو اس کرۂ ارض سے چل کر مختلف عوالم سے گذرتے ہوئے مقامِ محمود یا ذاتِ بحت تک پہنچتا ہے۔ (۱)

---

(۱) حقیقت وحدت الوجود از خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

## عوالم کا نقشہ کرۂ زمین سے ذاتِ بحت تک

عرش اعظم

↑

سواد عرش

↑

لطیفہ روحِ بسیط

↑

لطیفہ عقل بسیط — عالم امر



Marfat.com

لطیفہ نفس بسیط

↑

لطیفہ عدم

↑

پہلا طبقہ عالمِ امر کا

↑

عالمِ ہُو (طبقات میں تقسیم مشکل)

↑

عالمِ ہاہوت (۱۴ طبقات)

↑

عالمِ لاہوت (۱۸ طبقات)

↑

عالمِ جبروت (۱۸ طبقات)

↑

جنت (چھتیس (۳۶) طبقات)

↑

اعراف (دوزخ اور جنت کے درمیان دیوار)

↑

دوزخ (۷۲ طبقات)

↑

کرۂ ارض

عالمِ مثال

## نظریۂ وحدت الوجود

نظریۂ وحدت الوجود کے مطابق "وجود ایک ہے اور وہی اللہ ہے۔

کائنات میں جو اشیاء ہمارے حواسِ ظاہر و باطن سے متحقق و معلوم یا محسوس و مدرک ہوتی ہیں وہ اللہ کی ذات کی تجلیات ہیں اور ذات و تجلیات میں وہی تعلق ہوتا ہے جو موصوف و صفت میں ہوتا ہے اور یہ کہ ذات و صفات ایک دوسرے کے عین ہیں یعنی ایک ہیں" یہ نظریہ رکھنے والے وجودی کہلاتے ہیں وحدت الوجود کا نظریہ بہت پرانا ہے۔ ہندوؤں کے اپانشدوں میں ہزار ہا سال قبل موجود تھا لیکن جس بزرگ نے اسلام کو اس نظریہ سے متعارف کرایا وہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ ہیں جو شیخ اکبر کہلاتے ہیں۔ یہ نظریہ غیر اسلامی ہے اور اس کیفیت کے زیر اثر پیش کیا گیا ہے جو سالک پر عالم عدم میں پہنچ کر گزرتی ہے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس نظریہ کے سب سے بڑے مخالف حضرت مجدد الف ثانیؒ گزرے ہیں۔ انہوں نے ابتداً ایسا ہی محسوس کیا تھا مگر پھر اُن پر اصل حقیقت ظاہر ہو گئی حضرت ابن العربی کو اس کا علم تھا کہ اُن کی اس بات سے مشکلات پیدا ہوں گی اور لوگ اپنی کم علمی اور محدود بصیرت کی وجہ سے بھٹک جائیں گے۔ اسی ڈر سے انہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں لکھ دیا تھا کہ "جو شخص میری کتاب میں دی ہوئی اصطلاحات اور منازل و مقامات سے واقف نہ ہو وہ ہرگز اس کتاب کو نہ پڑھے ورنہ ایمان خراب ہونے کا خطرہ ہے" لیکن لوگ ان کی تنبیہہ کو بھول گئے اور اس نظریہ کے پیچھے لگ گئے جس میں سطحی نظر رکھنے والوں کو اور دین میں رخنہ ڈالنے والوں کیلئے بڑی کشش تھی۔ چنانچہ نظریہ وحدت الوجود سے ایک بڑا طوفان اٹھا۔ دو ڈھائی سو سال تک ہنگامہ آرائی رہی۔ اس وقت ہندوستان میں اکبر حکمران تھا۔ جیسے ابوالفضل اور فیضی جیسے نام نہاد مسلمانوں اور



Marfat.com

ہمہ اوستیوں نے گھیر رکھا تھا۔ اُنہوں نے اس کے سہارے شاہ وقت کو خوش کرنے اور ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اسلام کی صورت مسخ کرنی شروع کر دی خدائی کے دعویدار پیدا ہونے لگے۔ جہانگیر کے دور میں کہیں جا کر اس فتنہ کا زور ٹوٹا اور وہ بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کوششوں اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں سے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ جا بجا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں خالق ہوں اور جو کچھ میرے علاوہ ہے وہ مخلوق ہے یعنی خالق و مخلوق جداگانہ ہیں اور دونوں کی صفات مختلف ہیں اگر ایک قدیم ہے تو دوسرا حادث

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○

(جو کوئی (بھی) ہے زمین پر (وہ) نبٹنے والا ہے اور رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور تعظیم والا)

(سورۂ رحمٰن)

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○

کہہ دیجیے اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہی ہے اکیلا زبردست (سورۂ الرعد)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج

(اور (یہ) جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا (وہ) کچھ پیدا نہیں



Marfat.com

کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔ مُردے ہیں جن میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ تمہارا معبود اکیلا ہے)

(سورۂ النحل)

آخر الذکر آیت میں کچھ باتوں کی صاف صاف وضاحت کردی گئی ہے اور وہ یہ کہ اللہ ایک ہے۔ وہ خالق کُل ہے۔ اسے موت نہیں۔ باقی سب کی سب مخلوق اُس کے کرم اور عنایت کی محتاج ہے۔ اور فانی ہے۔ ایسی صورت میں فانی کو لافانی کا مظہر سمجھنا محض نادانی ہے۔

وجودیوں کا کہنا ہے کہ " وجود ایک ہے اور وہی اللہ ہے۔ کائنات میں جو اشیاء ہمارے حواسِ ظاہر و باطن سے متحقق و معلوم یا محسوس و مدرک ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کی ذات کی تجلیات ہیں اور ذات و تجلیات میں وہی تعلق ہوتا ہے جو موصوف وصفت میں ہوتا ہے اور یہ کہ ذات و صفات ایک دوسرے کی عین ہیں یعنی ایک ہیں۔

(۱) ہو گئے ایک مل کے ذات و صفات
مٹ گیا فرقِ عاشق و معشوق!
ہم ہی کوتاہ بین رہے ورنہ
وہی خالق ہے اور وہی مخلوق

---

کبھی وحدت کبھی تنہائی میں کثرت
کبھی کثرت کے ہنگاموں میں وحدت
مگر ان سارے ہنگاموں کی تہ میں
بس ایک محبوب ہے اور اس کی صورت

---

۱۔ سُرکلیاں تصنیف شاہ عبد اللطیف بھٹائی



Marfat.com

اصل میں اک حقیقت من و تو
درمیان لاکھ پردۂ اوہام

---

(۱) نیست جز دریا رواں چیزے دگر
موج در موج فی آر دبسر
(یعنی جس کو تم موج سمجھتے ہو دراصل دریا ہی ہے)

---

نا میں ملّاں ، نا میں قاضی ، نا میں سبق پڑھایاں
نا میں کعبہ ، نا میں قبلہ ، کلّے مول نہ جاواں
نا میں سُنّی ، نا میں شیعہ ، سیّد کین منڈایاں
یاد نہ میڈا درس درازی سچُو ناں سڈایاں

(یعنی نہ میں ملّا ہوں اور نہ قاضی اور نہ میں کسی کو درس دیتا ہوں میں قبلہ اور کعبہ بھی نہیں ہوں ، اور مکہ بھی نہیں جاتا ، نہ میں شیعہ ہوں اور نہ سُنّی اور نہ خود کو سیّد کہلاتا ہوں ۔ میں گرو نانک بھی نہیں ہوں اور نہ لچھمن ہوں ۔ گنگا کے تیرتھ پر بھی نہیں جاتا ۔ میرا دوست تو صرف درازی (خواجہ عبدالحق[۲]) ہے اور میں خود "سچو" کے نام سے پکارا جاتا ہوں ۔

---

۱۔ عبدالوہاب سچل سرمست[۲] کا کلام ہے جو سندھ کے ایک عظیم صوفی شاعر تھے ۔ وحدت الوجودان کا مسلک تھا ۱۷۳۹ء میں درازا شریف میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲۶ء میں انتقال کیا ۔ سندھی میں قتل نامہ اور جھولنا اور فارسی میں دیوان آشکار اور بہت سی مثنویاں ان سے منسوب ہیں ۔



Marfat.com

چونکہ وجودی کائنات کو اللہ کا عین یعنی اللہ ہی مانتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک کائنات ہی ازلی و ابدی ہے یعنی قدیم ہے۔ اس طرح ان کا نظریہ مادّہ پرستوں سے مِل جاتا ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی عقائد اور وحی کے خلاف ہے۔

حضرت ابن العربیؒ نے جو وحدت الوجود کا تصور پیش کیا وہ عالمِ عدم میں ایک خاص کیفیت کے زیرِ اثر پیش کیا ہے اس سے ان کا منشاء اس قسم کی غیر اسلامی تحریک کو ہوا دینا نہ تھا۔ اس کا سب سے مہلک اثر یہ ہوا کہ نام نہاد پیروں نے نماز سے فارغ خطی لے لی اور اس بنا پر کہ جب وہ اللہ کے وجود کا ایک حصہ ہیں تو ان پر عبادت کی قید کیوں۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ جذب کی کیفیت میں سالک تھوڑی دیر کو ایسا محسوس کرتا ہے کہ جیسے کوئی طاقت اس میں حلول کر گئی ہے اور ایسی حالت میں اس سے بہت سی کرامات بھی وجود میں آتی ہیں۔ جیسے کہ حسین ابن منصور حلاجؒ اور دوسرے حضرات کی ذات سے وابستہ تھیں۔ جو جذب کے وقت بے خودی یا سکر میں انا الحق کا بھی نعرہ بلند کرتے یا اس قِسم کے کلمات اُن کی زبان سے سننے میں آتے جیسے حضرت بایزید بسطامیؒ نے کئی دفعہ کیا، سبحانی ما اعظم شانی، یا سچل سرمستؒ نے بے خودی کے عالم میں ایسے اشعار کہے

در ولایت جسم و جان بادشاہی می کنم

بادشاہی چیست و لیکن خود خدائی می کنم

(یعنی میں اس خاکی جسم کے جامے میں بادشاہ ہوں۔ بادشاہی تو کوئی چیز نہیں ہے میں تو خود خدا ہوں)

انسان کی اس "میں" کو قابو میں رکھنے کے لیے محترمی درّانی صاحب (1)

(1) اگلے صفحہ پہ



Marfat.com

نے محبت اور بندگی کے بندھن استعمال کیے ہیں " حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ سے کہا (۱) اے بیٹے تم اُم الکتاب ہو، قرآن ناطق ہو، تمہارے اندر ساری کائنات ہے۔ تو غیب اپنی " میں " کے سوا کچھ بھی نہیں، کہیں آسمان میں نہیں ہے یہ غیب۔ اور " ایمان " یہ ہے کہ اس " میں " سے چھلکے اتارتے جاؤ یعنی ماسوا کے تو جسے اللہ کہتے ہیں وہ اس " میں " کے سوا کچھ نہیں۔ زینہ بزینہ اس " میں " کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ تب ہی تو انا الحق کہہ اٹھتا ہے۔ مگر اسلام میزان ہے۔ ان تمام چیزوں کے درمیان۔ میزان اور توازن کے طریقہ سے ترقی کریں تو " میں " کی حقیقت کے انکشافات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں بندہ ہوں بندہ کی صفت عجز ہے۔ اس لیے شکریہ وجود میں استغفار کرتا ہے۔

"لیکن منصور حلاجؒ اور دوسرے بزرگوں میں فرق تھا تو اتنا کہ جہاں حضرت بایزید بسطامیؒ نے یہ اعتراف کیا یہ کلمات مجھے یاد نہیں ان کی زبان سے بحالت سکر نکلے اور سچل سرمستؒ نے اپنے اشعار سن کر بات یہ کہہ کر ختم کر دی کہ یہ کسی اور نے کہا ہوگا " وہاں منصور حلاجؒ نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان پر قتل کا فتویٰ لگا۔

اس سکر کی کیفیت کو بعضوں کا یوں بیان کرنا کہ خود نعوذ باللہ خدا اُن کی اندر حلول کر جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر گھس جاتا ہے۔ سراسر کفر و زندقہ ہے۔ ہم پہلے اس بات سے خبردار کر چکے ہیں اس ضمن میں وجودیوں کے لمبے چوڑے دعوؤں کا جواب یہ ہے کہ۔

---

(۱) لقبیہ: صبح اسلام تصنیف جناب محمد عبیداللہ درانی۔ درانی صاحب قبلہ بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ آپ قادر نگر پیر بابا، سوات میں قیام پذیر ہیں۔ ایک عرصہ دراز تک پشاور یونیورسٹی کے انجینئرنگ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)



Marfat.com

۱۔ اگر اشیاء جن کو عام لوگ مخلوق کہتے ہیں بقول ان کے خدا کی تجلیات اور اس کی ذات کا عین (یعنی خود خدا) ہیں تو ان اشیاء میں نقص کیوں ہوتے ہیں۔

۲۔ اشیاء میں جو مسلسل تغیر و تبدل اور ترقی یا انحطاط پایا جاتا ہے تو کیا وہ خدا میں بھی موجود ہے؟ اگر تبدیلی اور انحطاط ہے تو اس کی انتہا فنا ہے اور خدا کو فنا نہیں۔

۳۔ اگر انسان اللہ کی تجلی یعنی خود خدا ہے تو وہ مجبور کیوں ہے، مختار کیوں نہیں۔

۴۔ اگر انسان خدا ہے تو عبادت کی اس کو کیا ضرورت ہے۔ وہ مذہبی، معاشرتی اور معیشی قوانین اور آداب و قواعد کی پابندی کیوں کرے۔

۵۔ اگر انسان خدا ہے تو جاہل کیوں ہے۔ خدا کو تو اس کون و مکاں میں جو کچھ ہے اس کے ایک ذرہ کا ہر وقت علم ہے۔

۶۔ اگر انسان خدا ہے تو وہ گناہ اور جرائم کی سزا کا مستوجب کیوں ہے۔؟

۷۔ اگر وہ تمام اشیاء جن کو ہم مخلوق کہتے ہیں خدا ہیں۔ خدا کی تجلیات اور اس کی عین (یعنی خدا) ہیں تو پتھر بھی خدا ہیں۔ پھر بت پرستی کیوں ناجائز ہے۔

---

بقیہ: کالج کے پرنسپل رہے تاج بابا کے مرید ہیں۔ انہی کے نام پر اپنی قیام گاہ کا نام پیر بابا رکھا۔ اب تک کئی رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ امواج الاسماء، صبح اسلام، کن فیکون، ہم کیا کریں، حیات قادر، حقیقت اسلام وغیرہ ان کی تخلیق ہیں۔



Marfat.com

وجودیوں نے اپنے نظریہ کی بنیاد جن باتوں پر قائم کی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ وہ کلمہ کے پہلے جزو یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ " نہیں ہے کوئی معبود ( دنیا کے معبودوں میں ) مگر وہ اللہ ہے " مطلب یہ کہ دنیا میں جو چیز بھی کہیں پوجی جاتی ہے وہ اللہ ہے۔ چاہے وہ بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ دوسرے آیت اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو اپنی دلائل کی اساس بناتے ہیں۔ اس کا تو صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ زمین و آسمان کا وجود جو ہم کو نظر آتا ہے، محض اس لئے ہے کہ یہ خدا کے نور سے روشن ہے۔ اور اللہ کا نور یا تجلیات ہیں حالانکہ الفاظ سے یہ مطلب کسی طرح بھی نہیں نکلتا۔ عام محاورہ ہے کہ میرا بیٹا میرے گھر کا اجالا ہے تو اس سے یہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ میرے گھر میں جو چہل پہل ہے اور رونق استعارةً روشنی نظر آتی ہے وہ میرے بیٹے ہی کی وجہ سے ہے۔

۳۔ تیسرے آیت وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ( تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے ) اس سے وحدت الوجود کا تو کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ یہ ضرور واضح ہے کہ وجود دو ہیں، ایک اللہ کا اور دوسرے مخلوق کا۔

۴۔ چوتھے آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ( یعنی وہی اول ہے، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے ) اس سے وجودی صرف یہ معنی لیتے ہیں کہ وجود صرف ایک ہے اور وہی اللہ ہے لیکن اوّل متقاضی ہے کسی ایک یا بہت سی چیزوں



Marfat.com

کے وجود کا جو اس کے بعد ہوں اور لفظ آخر بھی ان چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس سے پہلے ہوں۔ اب اگر چیز صرف ایک ہو تو وہ نہ تو اول کہلا سکتی ہے اور نہ آخر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرا وجود ہے۔ جس کا اوّل بھی اللہ ہے اور آخر بھی اللہ ہے اور دوسرا وجود مخلوق ہی کا ہے۔

۵۔ وجودی وَهُوَ فِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ (اور وہ تمہاری جانوں میں ہے۔ پس کیا تم دیکھتے نہیں) کا بھی سہارا لیتے ہیں لیکن اس سے بھی بات نہیں بنتی۔ جان جیسی غیر مادی چیز میں کوئی دوسری چیز اس طرح کیسے سما سکتی ہے کہ وہ اس کے اندر بھی ہو اور پھر اس سے الگ بھی ہو یعنی اپنا ایک الگ حقیقی وجود رکھتی ہو۔

۶۔ یہ حضرات اپنے دعویٰ میں بطور چھٹی دلیل نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ (وہ) انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے" کو پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو وہ انسان کی اپنی ذات ہی ہو سکتی ہے لہٰذا انسان کی ذات خود خدا کی ذات ہے۔

۷۔ ساتویں جو آیات بطورِ دعویٰ کے پیش کی گئیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(i) وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي ط (اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی)

(ii) فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ط

(اور جب میں اس کو (قالبِ آدم کو) درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم (فرشتے) اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا)



Marfat.com

اس سلسلہ میں وجودیوں کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ سوائے خدا کے کسی کو جائز نہیں ۔ پس جب خدا نے آدم کے قالب میں اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا تو وہی روح اب بھی ہر انسان میں موجود ہے ۔اس لئے آدمی خدا کا عین (یعنی خود خدا نہیں تو اور کیا) ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا نے اپنی روح آدم کے قالب میں پھونک دی تو پھر خدا کیسے زندہ رہا ۔ اور اگر یوں کہیں کہ تھوڑی سی روح پھونکی تھی تو پھر نعوذ باللہ خدا کی روح کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ تیسرے اس سے حلول کا مسئلہ بھی نکلتا ہے ۔ جو متفقہ طور پر کفر اور زندقہ ہے اور خود ابن عربیؒ بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں یہ دراصل اللہ کی روح کا فیض تھا ۔ جس کی طرف اس آیتِ کریمہ میں لفظ ”روحی“ سے اشارہ کیا گیا ہے ۔ یہ فیض کچھ اس قسم کا تھا جیسے ماچس کی تیلی سے کوئی چراغ روشن کر دیا جائے ۔

**وحدۃ الشہود** وحدۃ الوجود کے ساتھ ساتھ وحدۃ الشہود کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا ہے ۔ لہٰذا یہاں ان دونوں کا مقابلہ کر کے ان کے فرق کو واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ اس معاملہ میں ہم نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک تحریر کے حوالہ پر اکتفا کی ہے ۔

آپ فرماتے ہیں

”پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے ۔ عارضی اور ظلی ہے ۔ اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد سمجھا جائے گا ۔ یہ ” وحدۃ الوجود “ ہے ۔ اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں ، گو غلبۂ نور حقیقی سے کسی مقام



Marfat.com

پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ " وحدۃ الشہود " ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ نورِ مہتاب، نور آفتاب سے حاصل ہے۔ اگر اس نورِ ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کا نور بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثارِ خاصہ ہیں۔ گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے۔ یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے۔ مآل کار دونوں کا ایک ہے اور چونکہ اصل و ظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے۔ اس کو اصطلاح صوفیاء میں " غیبت " سے تعبیر کرتے ہیں اور غیبت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے۔ یہ تو صریح کفر ہے۔ ①

# تصوف کی چند وضاحت طلب باتیں

## ۱۔ صحوی و سکری

یہ تصوف کی دو قسمیں ہیں صحوی تصوف سے مراد ہے تصوف بیدار اور سکری تصوف سے تصوف خفیہ۔ تصوفِ بیدار عمل کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام کی میراث ہے۔ حضورؐ کی پیروی کا تحفہ اور بندگانِ خدا کا طرہ امتیاز۔ برخلاف اس کے سکری تصوف انسانیت کی افیم ہے۔ وہ روحانی کیف و استغراق میں مدہوش تو رکھ سکتا ہے لیکن اس کے ذریعے دوسروں کی اصلاح کرنا ممکن نہیں۔

## ۲۔ الہام

الہام اس خیال کا نام ہے جو سالک کے دل میں آئے۔ ایسے خیال کو پرکھنے کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی الہام

① اگلے صفحہ پر



Marfat.com

ایسا ہو کہ اس کی کتاب اور سنت سے حرمت ثابت ہوتی ہو مثلاً خیال گزرے کہ سود کھانا چاہیئے تو اس کو شیطان کی طرف سے سمجھ کر اس کے قبول کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ لیکن جب الہام میں کتاب اور سنت کی حرمت نہ پائی جاتی ہو۔ مثلاً کہا جائے کہ فلاں نیک مرد سے ملاقات کر تو اس الہام پر عمل کرنے میں قدرے توقف کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ دوبارہ الہام یا اس الہام میں ایسی علامتیں ظاہر ہوں جو خدا کے عارفوں اور عالموں پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جنہیں اولیاء ہیں سے عقلمند اور دانا ہی جان سکتے ہیں یا اُسے ابدال سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم عطا کیا ہو۔

الہام ایک ذریعہ ہے عنایاتِ خداوندی کا اور اس کے توسل سے بندے کی ہدایت، رہبری، اصلاح اور روح پروری ہوتی ہے۔ بعضے الہام نیم بیداری اور خواب کی کیفیت میں آتے ہیں۔ مثلاً فلاں سے ملاقات کر، فلاں تسبیح پڑھ۔ سالک کو اس کی روح کے منزہ ہونے کی مناسبت سے اشارے ہو جاتے ہیں۔ تسبیحیں بھی عنایت کی گئی ہیں۔ مثلاً ماہِ رمضان ۱۹۸۲ء میں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ کی تسبیح کا تحفہ عطا ہوا۔ یہ قرآنِ پاک کی آیت ہے۔

مگر افسوس کہ الہام جیسی پاکیزہ چیز کو بہروپیوں نے اپنی نفس پروری کا ایک آلہ بنا کر ہر قسم کی خرافات کا دروازہ کھول دیا ہے اور ہمارے نام نہاد پیر و فقیر الہام کے پردے میں اپنی خواہشات نفسانی کا اظہار کرتے ہیں اور بیچارے ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو

---

بقیہ ا بصائر حکیم الامت مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحی



Marfat.com

لوٹتے اور گمراہ کرتے ہیں۔

## ۳۔ فنا

فنا کے معنی نیست ہونا یا ہلاک ہونا ہے تصوف کی زبان میں حضرت غوث الاعظم اپنی نفسانی خواہشات سے فنا ہو کر امر الٰہی کی طرف آنے کو فنا کہتے ہیں اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ سالک کسب روزی میں تکلف اور مبالغہ ترک کر دیتا ہے۔ اور نفع حاصل کرنے اور تکلیف سے بچنے کے اسباب و ذرائع سے تعلق چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے لئے کسی قسم کی کوئی جد وجہد نہیں کرتا۔ اس کی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے اور نہ کوئی آرزو۔ وہ نہ اپنی عقل و تدبیر پہ بھروسہ کرتا ہے، نہ ذاتی تکلیف کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے۔ نہ اپنے نفس کی مدد کے لئے آگے آتا ہے۔ بلکہ اپنی ساری باتیں اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور وہ یہ سب اس لئے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " میں اُن لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میرے لئے شکستہ اور فانی ہوتے ہیں " اور یہ کہ ان کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب تلاش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُسے دوست بنا لیتا ہوں۔ اور جب میں ایسا کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ حدیثِ قدسی ہے۔

## فنا کے درجے

حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنی تصنیف " فتوح الغیب" میں فنا کے درجے اس طرح بیان کیئے ہیں

۱۔ اوّل خلق سے فانی ہونا۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو بذریعہ الہام سالک کو بتایا جاتا ہے کہ اللہ تجھ پر رحم کرے اور تجھے تیرے ارادے اور



Marfat.com

نفسانی خواہشات کو مار دے اور فانی کر دے۔

۲۔ دوم نفسانی خواہشات سے فنا ہونے جب سالک اس منزل پر پہنچ جائے تو پھر بتایا جاتا ہے کہ اللہ تجھ پر رحم کرے اور تجھے تیرے ارادے اور باقی خواہشات سے مار ڈالے۔

۳۔ سوئم اپنے آپ سے فنا ہونا جب سالک اس درجہ کو طے کرلیتا ہے تو اسے ایسی زندگی نصیب ہوتی ہے ”جسے موت نہیں ہے“ پھر اس کی ذات میں لوگوں کی خواہشات درست ثابت ہو جائیں گی۔

۴۔ کشف۔ کشف کے لغوی معنی ہیں پردہ اٹھا دینا۔ کسی چیز سے یا اُسے ننگا یا برہنہ کر دینا اور جس پر سے پردہ اٹھایا جائے یا جو ظاہر کیا جائے اُسے مکشوف کہتے ہیں۔

جب کثرتِ ذکر، معاصی سے اجتناب، احکامات الٰہیہ کے اتباع اور سنّت کی پیروی سے سالک کے قلب پر سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور کیفیّت باطنی میں ایک لطافت پیدا ہوتی ہے اسے تصوف کی زبان میں کشف کہتے ہیں۔

کشف کی دو قسمیں ہیں کشفِ کونی اور کشفِ الٰہی۔ کشف کونی میں فاصلہ اور زمانہ باعثِ حجاب نہ رہے۔ مستقبل کا حال معلوم ہو جائے، پوشیدہ چیزوں کا راز معلوم ہو جائے اور جو بات آئندہ ہونے والی ہے اُس کا پتہ چل جائے۔

کشفِ الٰہی یہ ہے کہ علوم اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں۔

کشف کونی، پاگلوں اور مجذوبوں کو بھی ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہ اُن کا لاشعور بیدار ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ انہیں ہر بات



Marfat.com

کا پتہ چل جاتا ہے ۔ جو اللہ چاہے بس وہی ہوتا ہے ۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ کچھ باتوں کا اس انداز سے علم ہوتا ہے گویا وہ عین حقیقت ہیں اور وہ ہو بھی جاتی ہیں ۔ ہیئت اور وقت کے تعین کے ساتھ ۔ لیکن بعض باتیں ایسی القا ہوتی ہیں جو فوراً اثر پذیر نہیں ہوتیں مگر ہو جاتی ہیں ۔ برخلاف اس کے بعض باتیں جنہیں اپنی مرضی سے جاننا چاہو تو ان کا علم تک نہیں ہوتا اور ان کے بارے میں خبر تک نہیں ملتی ۔ سالک کو ایسی باتوں کی کھوج نہیں لگانی چاہیئے اور جو ظاہر ہو جائے بس اُس پر اکتفا کرنی چاہیئے ۔ ویسے اللہ اپنے بندوں پر کرم کرتا ہے اور اُن کا پردہ رکھ لیتا ہے ۔ بہر صورت سالک کے لیے کشف کا ڈھنڈورا پیٹنا اچھا نہیں ۔ کشف کے سلسلہ میں ایک بزرگ میاں صاحب یاد آگئے ۔ زندگی کے آخری دور میں وہ اکثر پلنگ پر لیٹے رہتے تھے اور اس طرح کہ آپ کا چہرہ دروازہ کی طرف ہوتا ۔ جو بھی حاجت مند کمرہ میں داخل ہوتا وہ قبل اس کے کہ کچھ عرض کرے ۔ اپنے سوال کا جواب پا لیتا ۔ میاں صاحب اپنے کسی مرید کو مخاطب کر کے مناسب بات کہہ دیتے ۔ (۱)

## خواب

محمدؐ بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں ۔

۱۔ حدیث النفس (خیالات)

۲۔ تخویف الشیطان (شیطان بوجہ عداوت کے غمزدہ کرنے کے

---

(۱) میاں صاحب قبلہ کا اسم گرامی حاجی سید اصغر علی شاہؒ تھا ۔ آپ سید تھے اور شاہ گنج آگرہ کے رہنے والے ، غالباً علیگڑھ کے بابا احمد شاہ عرف گھوڑے شاہ صاحب سے فیضیاب تھے ۔ پاکستان تشریف لائے ۔ کراچی میں قیام پذیر تھے اور وہیں اب مدفون ہیں ۔



Marfat.com

لئے مکروہ امور دکھلاتا ہے )

۳۔ بشارت من اللہ ( اللہ کی طرف سے خوشخبری )

علم نفسیات سے قطع نظر سالک کے خواب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو نیم بیداری اور نیم خوابی کے عالم میں دیکھے جاتے ہیں ۔ جن میں نہ شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ نفسانی خواہشات کا دخل ۔ مثلاً روحانی سفر ، بزرگوں سے ملاقات ، آئندہ ہونے والے واقعات کی جھلکیاں ۔ ایسے خواب حقیقت آمیز ہوتے ہیں اور جتنی بھی سالک کی روح منزہ اور پاک ہوتی ہے ۔ اتنی ہی ان خوابوں میں صداقت اور بالیدگی ہوتی ہے ۔ اور ان کے نقوش واضح اور صاف ہوتے ہیں ۔ لبا اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان خوابوں کی دنیا میں ملنے والے لوگ گوشت و پوست رکھتے ہیں ۔ ہمارے ساتھ چل پھر رہے ہیں اور ہم سے سچ مچ ہمکلام ہیں ۔ ایک لمحہ بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہم خواب دیکھ رہے ہیں ۔ ہم نے ایسے خوابوں کو حرف بحرف سچا پایا ہے ۔ بزرگوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں اور انہیں ہو بہو ویسا ہی دیکھا کہ جیسے کبھی نظر آتے تھے ۔

فردا سے متعلق باتیں بھی سچی نکلی ہیں ۔ البتہ وقت کے اعتبار سے ضرور فرق آیا ہے ۔ وہ بات اُس مہینہ اور اس سال میں نہیں ہوئی ہے جس کا انکشاف ہوا تھا ۔ ان خوابوں میں روحانی سفر بھی کیا ہے ۔ مثلاً ۲۵ رمضان ۱۹۸۲ء کو رات کے ڈھائی بجے نیم بیداری کے عالم میں دیکھا کہ ایک تیز رو نہایت روشن ، انتہائی سفید ، ٹھنڈی اور فرحت بخش پٹی نما روشنی پر ہم اور ہماری والدہ مرحومہ سوار ہیں اور پُر نور مقامات سے گذرتے جا رہے ہیں ۔ ایسا ہوتا ہے کہ ہم فضائے بسیط میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیر رہے ہیں ۔ عجیب



Marfat.com

قسم کی بارش انوار ہے۔ جدھر دیکھو چہرے مسکراتے نظر آتے ہیں۔
کچھ عرصہ تک ہم یونہی سفر کرتے رہے۔

آربری نے منصور ابن عبداللہ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے عبداللہ ابن الجلی کو یہ کہتے سنا کہ "جب میں مدینۃ النبیؐ میں داخل ہوا تو حاجت مند تھا۔ میں حضور پاکؐ کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اور حضورؐ اور ان کے دو رفقاء حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سلام بجا لایا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اے رسولِ خداؐ میری حاجت ہے اور اس رات میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا اور حضور پاکؐ کے روضہ مبارک اور ممبر کے درمیان آکر سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی میں نے آدھی روٹی کھائی ہی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ آدھی بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

یہ بات دراصل نوازشات کی ہے۔ اگر عنایت ہو جائے تو جیتے جاگتے ایسی غیر معمولی باتیں وجود میں آجاتی ہیں۔ میں اور میری اہلیہ بعد حج جب رخصتی سلام کرنے۔ روضۂ مبارکؐ پر حاضر ہوئے تو میری اہلیہ پر رقت طاری ہو گئی۔ انہوں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضورؐ مجھے اپنے روضہ کا خاکروب بنالیں۔

ابھی ہم چلنے کے لئے روانہ ہو ہی رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب تشریف لائے اور انہوں نے میری اہلیہ کو سلام کر کے کہا کہ میں حضور کے روضہ کا بیس سال سے خاکروب ہوں۔ بتانا مقصود تھا کہ تمہاری بات سُنی گئی مگر یہ کام مردوں کا ہے۔ لیکن بعد میں مسجد بلالؓ کی خاکروبی کی سعادت عنایت فرمائی۔

اس طرح ایک روز مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ کیا دیکھتا



Marfat.com

ہوں کہ ایک شخص بیساکھیوں کا سہارا لے کر نماز کے لئے آتا ہے۔ دل بیتاب ہوگیا۔ درخواست کی آپ تو کریم ہیں۔ نماز پڑھ کر جب پیچھے نظر دوڑائی تو وہ بغیر سہارے کے جارہا تھا۔

دوسرے قسم کے خواب وہ خواب ہوتے ہیں جن میں صداقت نہیں ہوتی اور جن کا سر ہوتا ہے نہ پیر۔ اگر تسلسل بھی ہوتا ہے تو اس طرح جیسے کوئی پردہ سیمیں پر کوئی ڈرامہ دیکھ رہے ہوں۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ سوانگ ہے۔ اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہر آدمی اس قسم کے خواب دیکھتا ہے۔ اس کے اپنے مشاہدہ اور پس منظر کے اعتبار سے ان خوابوں میں مختلف رنگ بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

خوابوں کی اہمیت یہ ہے کہ جب ہم سوتے ہیں تو ہمارا لاشعور بیدار ہوجاتا ہے جو ہمیں زمان و مکان کی قید سے آزاد کر دیتا ہے اور ہم غیب میں سفر کرتے ہیں۔ جنت، دوزخ، اعراف غرضیکہ جہانِ دیگر کی ہر اس چیز کا عرفان حاصل کرتے ہیں جن تک ہماری پہنچ روح کی نفاست کے اعتبار سے ممکن ہے۔

## ولی، ولایت اور کرامات

### ا۔ ولی

وہ شخص کہلاتا ہے جو معرفتِ حق تعالیٰ رکھتا ہو۔ شریعت کا بدرجۂ کمال اتباع کرتا ہو، طاعت اور عبادت میں یکتا ہو اور معاصی اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو یہ وہ لوگ ہیں جو بقول حضرت عبدالقادر جیلانیؒ دل بھی رکھتے ہیں اور زبان بھی۔ یعنی علم دین رکھتے ہیں۔ اس پہ عمل کرتے ہیں اور بندگانِ خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ان کا ذکر یوں آیا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ط۔



Marfat.com

( سُن تو بے شک اللہ کے ولیوں پہ نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم )

## ب ۔ ولایت

مندرجہ بالا ولی کی تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقام " ولایت " سے قرب حق، معرفتِ خدائے عزوجل و اطلاع بر حقائق مقصود ہے۔ یہ اطلاع ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ جو غایتوں کی غایت اور منتہٰی پر پہنچی ہو۔ انبیاءؑ کو بارگاہِ خداوندی سے پہلے ہی مرتبہ ملا یعنی اولیاء میں جن پر عنایت بے غایت ہوئی اور مقصود ہوا کہ ان سے دعوت خلق کا کام لیا جائے تو ان کو نبوت کے مقام پر فائض فرمایا اور یہ کام ان سے لیا۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مقام ولایت کی انتہا مقامِ نبوت کی ابتدا ہے۔ بالالفاظ دیگر لوگوں کے دلوں کو پاک صاف کرنا اور ان کے قلوب کو علم و معرفت سے روشن و مجلیٰ اور آراستہ کر دینے کی قوت کا نام ولایت ہے۔

## ولایت کی تین اقسام

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے مرتبۂ ولایت کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

ایک یہ کہ آدمی ولی ہو اور اپنی ولایت کی نہ اس کو خبر ہو اور نہ خلق کو۔ دوسرے یہ کہ لوگ اس کی ولایت کو جانتے ہوں کہ وہ اولیاء میں سے ہے لیکن وہ خود نہ جانتا ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ ولی حق ہو اور یہ جانتا ہو کہ وہ ولی ہے اور لوگ بھی جانتے ہوں کہ وہ ولی ہے۔

امام ابوالقاسم قشیری نے اپنے ایک رسالے میں ولی کے دو معنی بتائے ہیں۔ " ایک فعل بمعنی مفعول کے یعنی ولی وہ شخص ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو اپنے تمام امور میں متولی بنائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ وہ خود اپنا وکیل نہ بنے بلکہ حق تعالیٰ کو بنائے

کیوں کہ اپنے آپ کو وکیل بنانے میں خود اپنے آپ کو گراتا ہے۔ دوسرے فعیل مبالغہ کا صیغہ فاعل سے ہے۔ یعنی ولی وہ ہے کہ جو عبادات و طاعات خدائے تعالیٰ بغیر خلل کے پے در پے جاری رکھے یعنی بغیر اس کے کہ گناہ اس میں خلل ڈالے۔ پس جس میں یہ دو صفتیں موجود ہوں وہ ولی ہوتا ہے۔

## ج۔ کرامات

کرامت وہ امر ہے جو کسی نبیؑ کے متبع کامل سے صادر ہو اور قانونِ عادت سے خارج ہو یعنی خلافِ عادت ہو۔ اگر وہ شخص جس سے یہ امر صادر ہوا ہے۔ نبی کا مطیع نہیں ہے۔ تو یہ کرامت نہیں کہلائے گی جیسے جوگیوں وغیرہ سے ہوتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے نیل کا جاری ہونا۔ دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریمؑ کے پاس بے فصل میوں کا آجانا۔ تیسری وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور اس کا دوچند چند ہو جانا۔ ①

یہ قوت اللہ اپنے مقبول بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اس قوت کے ذریعہ بندگان خدا سے وہ باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو عقل کی گرفت سے بالاتر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ خاصانِ خدا اس طاقت کو حرص و ہوا کی تکمیل یا ذاتی منفعت کے لئے نہیں استعمال کرتے بلکہ احکامِ الٰہی اور اسلام کی سربلندی کے لئے اس سے کام لیتے ہیں مثلاً جب جمعہ کے روز حضرت عمر فاروقؓ خطبہ پڑھ رہے تھے اور اسلامی فوجیں ایران میں نہاوند کے مقام پر لڑ

---

① بصائر حکیم الامت مولفہ ڈاکٹر عبدالحئی



Marfat.com

رہی تھیں تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا یَا سَاریہ الجبل ، اَلجَبل سپہ سالار لشکر نے بعد میں بتایا کہ جب گھمسان کی لڑائی جاری تھی اور عقب سے آتش پرستوں کا حملہ ہونے والا تھا تو ایک آواز نے قریب سے مجھے ہوشیار کر دیا اور پہاڑ کی جانب سے حملہ نہ ہو سکا۔

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سمرقند کیطرف مسافر تھا۔ قبلہ امام ابو اللیثؒ سمرقندی کے قریب ایک بزرگ مسجد تیار کرا رہے تھے۔ ایک دانشمند کھڑا کہتا تھا کہ محراب اس طرف رکھو کیونکہ کعبہ اس طرف ہے۔ میں نے کہا اس طرف نہیں بلکہ اس طرف ہے۔ جدھر میں کہتا ہوں ، بہتیرا میں نے کہا لیکن اس نے نہ مانا۔ میں نے اس کی گردن پکڑ کر کہا جدھر میں کہتا ہوں اس سمت قبلہ ہے کہ نہیں جب اس نے خود کعبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو یقیناً جان لیا کہ اسی سمت قبلہ ہے۔ (۱)

اودے پور سے ایک دفعہ ایک شخص حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ فلاں جاگیر دار نے تبرکاً ایک کرتے کی استدعا کی ہے۔ آپ نے فرمایا " اسے اب میرے کرتے کی ضرورت نہیں رہی جب وہ شخص اودے پور واپس لوٹا تو پتہ چلا کہ اس جاگیر دار کا انتقال ہو چکا تھا۔

## تین چیزیں جو بطور کرامت حاصل ہوتی ہیں

حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے قول کے مطابق تین چیزیں بطور کرامت حاصل ہوتی ہیں۔

۱۔ عِلم بغیر تعلیم کے جیسا کہ خواجہ ابو حفص نیشاپوری جب سفرِ حج کے دوران بغداد پہنچے تو انہوں نے خواجہ جنیدؒ سے نہایت فصیح و بلیغ

(۱) دلیل العارفین ملفوظات خواجہ غریب نوازؒ مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔



Marfat.com

عربی میں گفتگو کی۔
۲۔ جو کچھ عوام خواب دیکھتے ہیں اولیا اللہ بیداری میں دیکھتے ہیں۔
۳۔ عوام کے تصور کا اثر جو ان کی ذات پر پڑتا ہے وہ اولیاء اللہ دوسرے پر ڈال سکتے ہیں۔ اگر صاحب کرامات دوسرے کی ذات کے متعلق تصور کرتا ہے تو اس کے تصور کا اثر دوسرے کی ذات پر ہوتا ہے مثلاً وہ اگر کسی شخص کے دیکھنے کا تصور کرے تو وہ شخص فوراً حاضر ہو جاتا ہے

## خرقِ عادات کی چار قسمیں

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے خرقِ عادات کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔
معجزہ، معونت، کرامت اور استدارج۔
۱۔ معجزہ انبیاء علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے جن کا علم و عمل کامل ہوتا ہے۔
۲۔ کرامت اولیاء کو نصیب ہوتی ہے لیکن انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء غالب الحال اور اولیا مغلوب الحال ہیں۔
۳۔ معونت وہ ہے کہ جو بعض مجنونوں کو ہوتی ہے جو نہ علم رکھتے ہیں اور نہ عمل۔ لیکن ان سے بعض خرق عادات دیکھنے میں آتی ہیں۔
۴۔ استدارج اس گروہ سے صادر ہوتا ہے جو صاحبِ ایمان نہیں ہوتے جیسا کہ جادوگر وغیرہ۔ خلافِ عادت جب ان سے کوئی چیز دیکھنے میں آتی ہے تو وہ استدراج ہے۔

## شفاعت کون اور کس کی کر سکتا ہے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کسی نمازی پرہیزگار کا سہارا لے لیا جائے تو روز قیامت کام بن جائے گا۔ اعمال صالح اور نماز روزہ کی چنداں



Marfat.com

ضرورت اور حاجت نہیں۔ یہ تصور بڑا خطرناک اور مُضر ہے۔ اس سلسلہ میں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک سے اس بات کی وضاحت کر دیجائے۔

۱۔ " آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے۔ اسی کا ہے۔ کون ہے جو اللہ کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی۔ الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے"

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)

۲۔ " اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں ان کا بھی کچھ حصّہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے۔ جن کا تم زعم رکھتے تھے۔

(سورۃ الانعام آیت نمبر ۹۴)

۳۔ " (اے محمد ﷺ) تم اس علم وحی کے ذریعہ سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہو گا جو اُن کا حامی و مددگار ہو یا اُن کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں"

(سورۃ الانعام، آیت نمبر ۵۱)

۴۔ " اُس وقت لوگ کوئی سفارش لانے پر قادر نہ ہوں گے۔ بجز اس کے جس نے رحمان کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا ہو"

سورۃ مریم آیت نمبر (۸۷)

۵۔ جس روز ارواح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ



Marfat.com

بولے گا۔ سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے
(سورۃ النباء آیت نمبر ۳۸)

۴۔ "اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت کسی کے لئے نافع نہیں ہو سکتی بجز اُس شخص کے جس کے لئے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو"
(سورۃ سبا آیت نمبر ۲۳)

سفارش کے سلسلہ میں وہ واقعہ بھی قابل غور ہے جب قرآن پاک میں طوفانِ نوحؑ کا ذکر ہوتا ہے۔ پیغمبر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشہ کو ڈوبتا ہوا دیکھتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کی جان بچا لے۔ اس سفارش پر بجائے نوازش کہ الٹی ڈانٹ پڑتی ہے کہ وہ نیکوکاروں میں نہ تھا۔

سورۃ مریم میں یہ بات بالکل واضح کر دی گئی ہے کہ خواہ نسبت کسی سے بھی ہو ہر شخص کو اس کے ایمان اور اعمال کی بنا پر جانچا جائے گا۔ اس میں اس اعتبار سے تین قسم کی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی مثال حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کی ہے۔ جن کا انبیاء کی بیویاں ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا۔ وہ راندۂ درگاہ رہیں اور جہنم کی مستحق ہوئیں۔

دوسری مثال فرعون کی بیوی کی ہے جو ایک بدترین دشمنِ خدا کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے ایمان و تقویٰ کے باعث جنت سے نوازی گئیں۔

تیسری مثال حضرت مریم علیہ السلام کی دی گئی ہے جو سخت ترین آزمائش کے باوجود قانع اور صابر رہیں لہٰذا ان کو سیدۃ النساء فی الجنہ کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا گیا۔

اس سے پتہ چلا کہ روزِ محشر صرف حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

شفاعت کریں گے۔ مگر یہ شفاعت بھی اللہ کے اذن سے ہوگی اور ان اہلِ ایمان کے حق میں ہوگی جنہوں نے حتی الوسع نیک عمل کرنے کی کوشش کی۔

## ۷۔ سماع

سماع کے لغوی معنی خوشگوار آواز کے ہیں اس سے مراد اس عارفانہ کلام کا خوش گلوئی سے پڑھنا ہے جو صوفیائے کرام کے خانوادوں سے منسلک ہے۔ علماء اور صوفیاء میں یہ مسئلہ متنازع فیہ رہ چکا ہے۔ اس کے خلاف بھی بہت کچھ کہا گیا ہے اور اس کی موافقت میں بھی بہت کچھ۔ ہم اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے اور نہ ہی یہ اس کتاب کا واحد موضوع ہے۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ بزرگانِ دین کو ہمیشہ سے اس سے لگاؤ رہا ہے اور وہ اس لئے کہ جب موزوں کلام خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ روح پر اپنا اثر کرتا ہے اور دل اللہ کی طرف کھینچتا ہے۔ حمد یا نعت کے اچھے اشعار سُن کر شدتِ جذبات سے رونے کو جی چاہتا ہے۔ دل بے قابو ہو جاتا ہے اور طبیعت پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ہمارا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے۔ سماع کی اثر اندازی کے ساتھ شرط یہ ہے کہ کلام پیش کرنے والا باوضو ہو، نیک سیرت ہو اور عقیدت رکھنے والا۔ وہ گلے بازی یا راگ راگنیوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے کلام کو صدقِ نیت سے پیش کرنے کی طرف دھیان دے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی عبادت میں دل لگاتا ہے۔

حضرت امام محمدؒ الغزالیؒ سماع کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں "سماع آدمی کے دل میں ایک ایسا پوشیدہ راز ہے جیسے لوہے اور پتھر میں آگ ہے کیونکہ جس طرح لوہے پر لوہا مارنے سے آگ جھڑتی ہے اور جنگل میں لگ جاتی ہے۔ اس طرح خوش اور موزوں آواز کا سُننا بھی گوہرِ دل کو ہلا دیتا ہے۔ اور اس سے ایسی چیز ظاہر ہوتی ہے کہ آدمی کا اُس میں اختیار



Marfat.com

نہیں رہتا۔ ①

سماع کے بارے میں حضرت ذوالنون بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ دلوں کی خواہش اس سے ابھرتی ہے اور سالک اس کی طلب پر حریص ہوتا ہے۔ جو شخص اس کو سنتا ہے حق کی راہ پا لیتا ہے۔ جو شخص نفس کے ساتھ سنتا ہے زندقہ یعنی بے دینی میں پڑتا ہے

بایں ہمہ سماع کے بارے میں بزرگانِ ملت نے درمیانی راہ اختیار کی ہے اور وہ اس لئے کہ جیسا شیخ عبدالحقؒ نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا کسی حدیث سے بھی اس کی تحریم ثابت نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ صوفیائے کرام نے سماع، عرس یا چراغاں وغیرہ کو تبلیغی مقاصد کے لئے اختیار کر لیا تھا اور ان کی اباحت شرع شریعت سے تلاش کر لی تھی۔ اس لئے کہ اس ملک (ہندو پاکستان) کے باشندوں میں یہ مراسم جزو مذہب تصور کئے جاتے تھے۔ ②

چاہے کوئی کچھ بھی کہے حسنِ صوت معجز نما ضرور ہے۔ اگر قرآن پاک کو خوش الحانی سے پڑھا جائے تو بزبان قرآن مومنین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ قابلِ ذکر ہے جیسے ہی انہوں نے سنا کہ ان کی بہن مشرف بہ اسلام ہو گئیں تو تلوار سوت کر ان کے قتل کرنے کو نکلے جب آپ ان کے گھر پہنچے تو وہ یہ آیت تلاوت کر رہی تھیں۔

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ لا

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

---

(۱) لمعاتِ خواجہؒ تصنیف معین الدین احمد چشتی قادری اجمیری

(۲) پیغام نشاط مولف غازی الدین احمد



Marfat.com

(یہ قرآن ہم نے تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑے
مگر یہ ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے)

یہ سن کر آپ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ نے مخالفت کی راہ چھوڑ دی۔ اس سماع کے اثر کا اظہار انصاری صاحب کی اس تحریر سے بھی ہوتا ہے۔

"آخری رات کی قوالی بہت ہی پاکیزہ اور پُر لطف تھی۔ تقریباً اسی (۸۰) نئے حضرات بیعت ہوئے۔" ①

## ۸۔ وجد

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں جب کلام موزوں اچھی آواز میں پیش کیا جائے تو اس کا دل پر اثر ہوتا ہے اور انسان مسحور ہو کر بے اختیار جھومنے لگتا ہے۔ اور اُسے اپنی ذات پر قابو نہیں رہتا۔ اس کیفیت کو تصوف کی زبان میں وجد کہتے حضرت عبدالقادر جیلانی اس کیفیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں "وجد یہ ہے کہ روح ذکر کی حلاوت میں اور نفس لذت طرب میں مشغول ہو جائے اور بندہ سب سے فارغ ہو کر صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو۔ نیز وجد شرابِ محبت الٰہی ہے کہ مولا اپنے بندے کو پلاتا ہے۔ جب بندہ یہ شراب پی لیتا ہے تو اس کا وجود سبک اور ہلکا ہو جاتا ہے اور اس کا دل محبت کے بازوؤں میں سے اڑ کر مقام حضرت القدس میں پہنچ جاتا ہے اور دریائے ہیبت میں جا گرتا ہے اور اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔

اس سماع سے صرف وہی لوگ فیض یاب ہو سکتے ہیں جن کی نیت صاف ہو، جو خلوصِ نیت و دل رکھتے ہوں اور اللہ کے شیدائی ہوں ورنہ وہی کچھ خرابیاں وجود میں آئیں گی۔ جو تمام درگاہوں اور نام نہاد پیروں کی بیٹھکوں

---

(۱) مکتوباتِ خواجہ غیر مطبوعہ



Marfat.com

سے منسلک ہیں۔ باقاعدہ ناچ گانے ہوتے ہیں۔ پیسے نچھاور کیے جاتے ہیں نامناسب اور بے حد گھٹیا درجے کا کلام پیش ہوتا ہے۔ گانے والے اور سننے والے نشے میں دُھت ہو کر آتے ہیں۔ اس پر تحفگی یہ کہ پیشہ وارانہ فقیر ٹھمک ٹھمک کرنا چتے ہیں۔ لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور جھوٹے وجد سے ان پر اپنی پارسائی کا رعب جماتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت نظام الدینؒ نے سماع پر چند قیود عائد کیے ہیں۔ اگر ان قیود کا خیال رکھا جائے تو سمع کو بُرے اثرات سے بچایا جاسکتا ہے۔

"سلطان المشائخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ——— مسمع جو کہنے والا (کلام کا) ہے۔ ضروری ہے کہ وہ مرد ہو، بچہ (مرد) یا عورت نہ ہو۔ اور مسموع وہ چیز ہے جس کو سُنا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ فحش و ہذل کلام نہ ہو اور مستمع سننے والا ہے۔ چاہئے کہ وہ جو کچھ سُنے حق کے لئے سنے اور اس کا وجود یادِ حق سے بھرپور ہو۔ اب رہا آلہ سماع تو اس سے مراد مزامیر یعنی چنگ و رباب اور اس جیسے دوسرے آلاتِ موسیقی ان میں سے کسی کو درمیان میں نہیں ہونا چاہیئے۔ پس سماع اگر ان شرائط کے ساتھ ہے تو حلال ہے۔"

مختصراً آپ کے مطابق سماع اس صورت میں حلال ہے جبکہ

۱۔ سنانے والا مرد ہو، بچہ یا عورت نہ ہو۔
۲۔ جو کلام سنایا جائے وہ فحش اور ہذل نہ ہو
۳۔ سننے والا جو کچھ سُنے وہ حق کے لئے سُنے اور خلوص نیت سے سُنے۔
۴۔ جب کلام پیش کیا جائے تو بغیر چنگ رباب اور اسی قسم کے آلاتِ موسیقی کو استعمال کیئے ہوئے ہو۔

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ہم دورِ حاضر کے سماع میں کس حد



Marfat.com

تک ان قیود کا خیال رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں خواجہ انصاری ؒ کے ایک خط سے حوالہ دینا لعید از دلچسپی نہ ہوگا۔ آپ رقمطراز ہیں۔

" قوالی تو جائز ہی اس حالت میں ہے جب اس میں صاحب دل لوگ موجود ہوں اور اگر قوال صاحب دل نہ ہوں تو کم از کم نماز، روزے کے پابند اور نیک ہوں ........ قوال کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ پی کر گاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں کیا خاک لطف آتا ہے۔ میں بھی تو روتا ہوں کہ تہذیب کی ہر بات کو حتیٰ کہ نماز تک کو رسماً ادا کیا جاتا ہے نہ روح ساتھ ہوتی ہے نہ دل۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے۔ آمین۔

## ۹۔ نفس

قرآنِ مجید میں نفس کی تین قسموں کا ذکر آیا ہے۔

### و۔ نفس امارہ

یہ وہ نفس ہے جو انسانوں کو برائیوں پر اکساتا ہے۔ اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

### ب۔ نفسِ لوامہ

یہ وہ نفس ہے جو ہمیں ہماری بُری نیت اور بُرے کام پر لعنت ملامت کرتا ہے اور ہم میں اس کی بدولت ندامت کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ اس نفسِ لوامہ کو ہم موجودہ اصطلاح میں ضمیر کہتے ہیں۔

### ج۔ نفسِ مطمئنہ

تیسرا وہ نفس ہے جو ہمیں برائی کو چھوڑ دینے اور کجروی سے گریز کرنے میں اطمینان محسوس کرتا ہے۔ یہ جتنا مطمئن ہوگا اتنے ہی ہم کامیاب سمجھے جائیں گے۔

# قبض سے ہماری کیا مراد ہے؟

Marfat.com

# قبض وبسط

سالک اکثر غیر اختیاری طور پہ دو حالتوں سے گزرتا ہے۔ انہیں قبض و بسط کہتے ہیں۔

واردات کا انقطاع قبض کہلاتا ہے۔ اس کا سبب عدم رضائے حق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں چند حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس کے ذریعہ درحقیقت سالک کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً سالک کو کسی میں گرفتار کرکے بجائے اُسے گزند پہنچانے کے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسکو بسط کی کیفیت میں عجب وکبر کا شکار ہونے سے بچایا جاسکے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسکے سات فوائد بیان فرمائے ہیں۔ جن میں عجب سے نجات، علم اور عمل پر ناز کرنے سے پرہیز، شیطان سے ٹکر لینے کا حوصلہ وغیرہ شامل ہیں۔

ا۔ قبض کی حالت میں قلب ایک غیر معمولی گھٹن، بے کیفی، اضمحال، تھکن اور ہر چیز سے بیزاری محسوس کرتا ہے۔ عبادت میں دل نہیں لگتا، طبیعت پر ایک عجیب بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آخرت خراب ہوگئی اور ایمان میں فتور آگیا۔ لوگوں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان کو چاہیئے کہ استغفار، استعاذہ اور درود شریف کا ورد کرے لیکن یہ قبض بے فیض نہیں ہوتا۔ اس کی بدولت بندہ میں عاجزی اور انکساری آتی ہے اور اس میں عبدیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ اساس بن جاتا ہے۔ آگے کی ترقی کا۔

۲۔ اس کے برعکس بسط کی حالت میں قلب ایک غیر معمولی خوشی، فرحت اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ شرح صدر میسّر ہوتا ہے۔ عبادت میں

مزہ آتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے انوار اور نوازشات کی بارش ہوتی ہے ۔ یہ مقامِ شکر ہے ۔ اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے ۔

**۱۱ ۔ مشاہدہ و معائنہ** مشاہدہ کے معنی ہیں کہ انسان صفات کے واسطہ سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو ۔ یہ حضوری کا ایک درجہ ہے ۔ لیکن اس سے بلند تر درجہ معائنہ ہے ۔ جب انسان بلا واسطۂ صفات ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے اور اسے صفات کے واسطہ کی چنداں حاجت نہیں ہوتی ۔

**۱۲ ۔ دوائر** کیفیات باطنیہ کو دوائر کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ مثلاً دائرۂ محبت ۔ سالکوں سے ان دوائر کے مراقبہ کی تعلیم کرائی جاتی ہے ۔

**۱۳ ۔ تلوین و تمکین** تلوین سالک کے قلب کی اس متغیر کیفیت کو کہتے ہیں ۔ جب وہ قبض ، بسط ، سکر ، صحو کے بدلتے ہوئے حالات کے زیرِ اثر ابتدا میں آتا ہے لیکن جب وہ طاعت کے دوام اور ذکر کی کثرت سے ان پر حسبِ استعداد غلبہ پا لیتا ہے اور اسے قرار نصیب ہوتا ہے ۔ تو اس کیفیت کو اصلاحِ تصوف میں تمکین سے تعبیر کرتے ہیں ۔



Marfat.com

# حرفِ آخر

تصوف کا ذکر ختم ہو چکا۔ ہم نے اس کو ہر زاویہ سے دیکھا اور پرکھا اب اس کا کوئی پہلو ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں۔ اس کی غرض وغایت بھی ہم پر روشن ہے۔ محض قربِ الٰہی اس کا مدعا ہے۔ لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا یا شعبدہ بازی کے ذریعہ عوام الناس کی عقل وخرد کو مسحور کرنا ہرگز اس کا مقصد نہیں اور نہ ہی یہ دولت بٹورنے کا ذریعہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو صوفیائے کرام فاقہ اور عسرت کی زندگی نہ گزارتے اور فقر کو اپنے لئے باعثِ افتخار نہ گردانتے۔ تصوف تارک الدنیا ہونے کی بھی ترغیب نہیں دیتا کہ ہمارے آقائے نامدار ؐ، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور ان کے بعد کے آنے والے بزرگوں نے ایسا نہیں کیا۔ البتہ اُن کے یہاں غور وفکر، ذکر وعبادت اور قلب وباطن کی جلا کا سلسلہ تمام عمر جاری رہا۔ دن میں کاروبارِ دنیا اور راتوں کو عبادت اور اپنے خالق کے دربار میں حضوری اُن کا شعار بنا۔ ان کا سلوک متوازن تھا اور ان کا سفر راہ اقتصاد پر مبنی۔ البتہ ان میں سے ایک جماعت ایسی تھی جس نے علم دین سیکھنے اور سکھانے کو مقصدِ حیات بنایا تاکہ حضور پاک ؐ کے فرمان کے مطابق لوگوں کی رہبری کا کام جاری رہے۔ آپ انہیں چاہیں تو انہیں صوفی کہیں۔ چاہیے اولیاء اللہ، چاہے علمائے دین۔ یہ ہمہ وقت عبادت اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے اور اپنی ضروریات کے لئے اللہ پر توکل کرتے۔ عوام کے لئے قرآن اور حضور پاک ؐ کی سنت کا اتباع قربِ الٰہی کے لیے کافی سمجھا گیا۔ نہ تو ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ بندگانِ خدا کے سامنے اپنی حاجت روائی کے لئے



Marfat.com

ہاتھ پھیلائیں اور نہ اُن سے یہ کہا گیا کہ وہ منت، مراد کے لئے مزاروں کے چکر لگائیں۔ دینے والا صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہر بندہ کو بغیر کسی وسیلہ کے اس تک رسائی ہے۔ البتہ قلب و نظر اور کردار کی اصلاح کے لئے بزرگوں کی صحبت بڑی نعمت ہے۔ ہمیں ضرور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ لیکن ہر حال میں فرد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کا اپنا عمل ہی اس کے کام آتا ہے۔ اُسے ہرگز اس بات کی توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ روزِ قیامت کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھائے گا۔ قرآن پاک سے یہ حقیقت واضح ہے۔ احادیثِ نبوی سے اس کا انتباہ ہو چکا ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

" اللہ تعالیٰ تمہاری صورت یا جسم کو نہیں دیکھتا۔ لیکن وہ تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے اور تمہارے تقویٰ پر نظر رکھتا ہے۔ پھر سینہ پر اُنگلی رکھ کر فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ یہ تین بار فرمایا۔ (ابوہریرہ رضؓ)

آیئے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم سب کو راہِ راست پر قائم رکھے اور ظاہر و باطن کی پاکی عنایت فرمائے۔ آمین

Marfat.com

# فہرستِ کتب (اردو)

| نمبر شمار | نام کتاب | مصنف یا مولف |
|---|---|---|
| ۱ ۔ | فتوح الغیب | حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رح |
| ۲ ۔ | تذکرۃ الاولیاء | حضرت شیخ محمد فرید الدین عطار رح |
| ۳ ۔ | فصوص الحکم | حضرت شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی العربی رح |
| ۴ ۔ | کشف المحجوب | حضرت شیخ ابو الحسن الہجویری رح |
| ۵ ۔ | مکتوبات خواجہ معین الدین چشتی رح | ترجمہ سید منظور حسین رضوی |
| ۶ ۔ | مصباح العاشقین ترجمہ مفتاح العاشقین | حضرت شیخ محب اللہ رح |
| ۷ ۔ | عوارف المعارف | حضرت شیخ شہاب الدین محمد بن عمر سہروردی رح |
| ۸ ۔ | تذکرہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردی | سلام سہروردی |
| ۹ ۔ | سیر الاولیاء | امیر خورد |
| ۱۰ ۔ | اخبار الاخیار | شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح |
| ۱۱ ۔ | راحت القلوب | ″ ″ ″ ″ |
| ۱۲ ۔ | تعمیرِ ملت | خواجہ عبد الحکیم انصاری رح |
| ۱۳ ۔ | طریقتِ توحیدیہ | ″ ″ ″ ″ |
| ۱۴ ۔ | حقیقت وحدت الوجود | ″ ″ ″ ″ |
| ۱۵ ۔ | چراغِ راہ | ″ ″ ″ ″ |



Marfat.com

| نمبر شمار | نام کتاب | مصنّف یا مؤلف |
| --- | --- | --- |
| ۱۶ ۔ | مضامینِ قرآنِ حکیم | زاہد ملک |
| ۱۷ ۔ | تفہیم القرآن | سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رح |
| ۱۸ ۔ | سیرت النبی صلعم | شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رح |
| ۱۹ ۔ | اسوۂ رسولِ کریم صلعم | ڈاکٹر محمّد عبدالحیٔ |
| ۲۰ ۔ | رحمتِ عالم | علامہ سیّد سلیمان ندوی رح |
| ۲۱ ۔ | سیرتِ سرورِ دوعالم صلعم | سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رح |
| ۲۲ ۔ | رسول نمبر | سیّارہ ڈائجسٹ نمبر |
| ۲۳ ۔ | چودہ صدیاں نمبر | 〃 〃 〃 |
| ۲۴ ۔ | روشنی | شاہ بلیغ الدّین |
| ۲۵ ۔ | پیغام نشاط | غازی الدین احمد |
| ۲۶ ۔ | تجدیدِ تصوف وسلوک | مولانا عبدالباری ندوی |
| ۲۷ ۔ | تصوف اور تعمیرِ سیرت | عاصم نعمانی |
| ۲۸ ۔ | لمعاتِ خواجہ رح | کریم بخش خالد |
| ۲۹ ۔ | سچل سرمست رح رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی | شیخ ایاز |
| ۳۰ ۔ | فضائل نماز | حضرت مولانا محمّد ذکریا رح |
| ۳۱ ۔ | روحانی نماز | خواجہ شمس الدّین عظیمی |
| ۳۲ ۔ | صحیح اسلام | محمّد عبیداللہ درّانی |
| ۳۳ ۔ | حقیقتِ اسلام | 〃 〃 〃 |
| ۳۴ ۔ | ہم کیا کریں | 〃 〃 〃 |
| ۳۵ ۔ | کُن فیکُون | 〃 〃 〃 |
| ۳۶ ۔ | اساسِ دین | مولانا صدرالدّین اصلاحی |




Marfat.com

| نمبر شمار | نام کتاب | مصنف یا مولف |
|---|---|---|
| ۳۷ ۔ | بصائر حکیم الامت | مؤلفہ ڈاکٹر محمد عبدالحئی |
| ۳۸ ۔ | اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام | ڈاکٹر مولوی عبدالحق |
| ۳۹ ۔ | دلائل السلوک | مرتبہ حافظ عبدالرزاق |

# فہرست کتب (انگریزی)

| نمبر شمار | نام کتاب | مصنّف یا مؤلف |
|---|---|---|
| ۳۸ ۔ | شاہ عبداللطیف آف بھیٹ | ایچ ۔ ٹی ۔ سورے |
| ۳۹ ۔ | دی اسلامک فیتھ | ٹی ۔ ڈبلیو ۔ آرنلڈ |
| ۴۰ ۔ | این آؤٹ لائن آف اسلام | سی ۔ آر ۔ نارتھ |
| ۴۱ ۔ | دی درویشیز | جے ۔ بی ۔ براؤن |
| ۴۲ ۔ | الیسیز اینڈ اسٹڈیز انڈین اینڈ اسلام | ایس ۔ خدا بخش |
| ۴۳ ۔ | دی پریچنگ آف اسلام | ٹی ۔ ڈبلیو ۔ آرنلڈ |
| ۴۴ ۔ | مسٹیکل ایلیمنٹس آف اسلام | جے ۔ سی ۔ آرچر |
| ۴۵ ۔ | دی مسٹکس آف اسلام | آر ۔ اے نکلسن |
| ۴۶ ۔ | اسٹڈیز ان اسلامک مسٹیزم | 〃 〃 〃 |
| ۴۷ ۔ | مسٹکس آف اسلام | 〃 〃 〃 |
| ۴۸ ۔ | دی ڈاکٹرن آف دی سوفیزم | اے ۔ جے ۔ آربیری |
| ۴۹ ۔ | وہاٹ سوفیزم | مارٹن لنگز |



Marfat.com

# تصوف

## ہماری نظر میں

297.6
ص 7 ت
92132

محمد حسن صفدر

Marfat.com